مختلف پہلوؤں اور حیثیتوں کے متعلق نہایت کارآمد معلومات حاصل ہوتے ہیں، انگریزی میں تو اس قسم کی کتابوں کی کمی نہیں لیکن اردو میں کمیاب ہیں، اور ان کی بعض اوقات بڑی ضرورت پڑتی ہے،

خدا اور کائنات از جناب ماہر القادری تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

لائق مؤلف نے اس کتاب میں فطری اور وجدانی دلائل اور مغرب کے حکماء و فلاسفہ کے اقوال سے خدا کے وجود کو ثابت کیا ہے، اور دلنشین انداز میں دکھایا ہے کہ کائنات کا کمال تخلیق، اور حسن تخلیق اور اس کا عظیم الشان نظام خود ایک صانع حقیقی کے وجود کا شاہد ہے، اور کسی شے کی کنہ اور حقیقت سے لاعلمی کے بارہ میں قدیم فلاسفہ وحکماء کے اعترافات نقل کرکے خدا کی ضرورت اور اس کے وجود کے ثبوت میں جدید مغربی فلاسفہ کے اقوال اور ان کے اعترافات پیش کئے ہیں، انداز تحریر موثر و دلنشین اور کتاب عام لوگوں کے لئے مفید ہے،

بچوں کی نفسیات از جناب شیر محمد اختر صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۶۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ کلدار ۱۲ سکہ عثمانیہ پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

جدید نفسیات نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے بارہ میں بہت سے پرانے اصول و نظریے بدل دیئے ہیں، ایک زمانہ میں "جور استاد" "مہر پدر" سے بہتر سمجھا جاتا تھا، لیکن جدید نفسیات کی رو سے تعلیم و تربیت کے لئے جور بلکہ تنبیہ و سرزنش بھی مضر ہے، اور اس سے بچوں کے عادات و خصائل بننے کے بجائے اور بگڑ جاتے ہیں اسلئے اس کے بجائے مناسب افہام و تفہیم کو اہمیت دی گئی ہے، چنانچہ اس کتاب میں بچوں کی نفسیات کی روشنی میں تعلیم و تربیت کے ان جدید اصولوں کو پیش کیا گیا ہے، معلموں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا،

ذہنی زلزلے از جناب نعیم صدیقی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ: دار الاشاعۃ نشاۃ ثانیہ مکان نمبر ۱۰۴۶، ملے پلی جدید حیدرآباد دکن و مکتبہ کاروان ادب دار الاسلام نزد پٹھان کوٹ پنجاب،

جدید ترقی پسند افسانوں میں بڑی بے اعتدالی پائی جاتی ہے، جناب نعیم صدیقی نے جو روشناس صاحب قلم ہیں مذکورہ بالا افسانوں میں ایک درمیانی اعتدال کی راہ پیدا کی ہے، جس میں مذہب و اخلاق کی حرمت کے ساتھ جدید تقاضوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے، اور بے قید انقلابی خیالات اور دور جدید کے بعض مسائل پر بڑے لطیف انداز میں تنقید کی گئی ہے، اس مجموعہ میں تیرہ افسانے ہیں اور سب بخیر مقصد اور پڑھنے کے لائق ہیں، ان میں متانت کی سنجیدگی وقار بھی ہے اور جدت کا حسن و ترقی پذیری بھی، "م"

جلد ۵۶ ماہ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۵ء عدد ۴

مضامین

شذرات

غالباً ناظرین کو یاد ہوگا کہ ۱۹۳۳ء مین حضرت الاستاذ مدظلہ، سر اقبال اور سر راس مسعود مرحوم نے حکومت افغانستان کی دعوت پر، وہان کے نظام تعلیم کی تشکیل و ترتیب مین مشورہ کے لئے کابل کا سفر کیا تھا اور اپنے علمی و تعلیمی تجربون سے اس کام مین رہنمائی کی تھی، حضرت الاستاذ نے نادر شاہ مرحوم اور افغانستان کے دوسرے عمائد اور علماء کے سامنے خاص طور سے عربی و دینی تعلیم کی اصلاح و تجدید کے متعلق اپنے مفصل خیالات پیش کئے تھے، کہ دور جدید کی ضروریات کے لحاظ سے قدیم نصاب اور پرانا طرز تعلیم ناقص اور ایسے علماء پیدا کرنے سے قاصر ہے، جو نئے افغانستان اور جدید تعلیم یافتہ نسل کی رہبری کر سکین، اور ملک مین مفید اصلاحات کی سربراہی مین مدد دے سکین، ضرورت ایسی تعلیم کی ہے، جو دینی ضروریات اور دنیاوی مصالح دونون کی جامع ہو اور جس کے ذریعہ علماء مین سیاسی و اجتماعی اصلاحات اور صحیح دینی شیفتگی، دونون کا متوازن احساس پیدا ہو سکے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب دینی تعلیم مین جدید ضروری فنون کو بھی شامل کیا جائے گا، اور پرانے طریقہ تعلیم مین تغیر اور اس کے طلبہ کا معیار معاشرت بلند کیا جائے گا، افغانستان کے سفرنامہ مین جو سیر افغانستان کے نام سے کتابی صورت مین شائع ہو گیا ہے، یہ تجاویز متفرق طور سے موجود ہین،

—— • ✕ • ——

رسالہ کابل کے تازہ سالنامہ بابت ۱۹۴۵ء مین افغانستان کی وزارت تعلیم کے کامون کی مفصل روداد شائع ہوئی ہے، اس مین عربی دینی تعلیم کا بھی ذکر ہے، اس سے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی، کہ ننگرہار کے خوش سواد علاقہ مین جو حکومتِ افغانستان کا گرمائی مستقر ہے ایک نئی اسکیم کے مطابق ایک عربی درسگاہ قائم ہو گئی ہے، اور اس کے نصاب مین جملہ دینی علوم کے ساتھ انگریزی زبان اور ضروری فنون جدیدہ کی کتابین بھی ہین، رسالہ کابل مین اس درسگاہ اور اس کے نصاب کی پوری تفصیل موجود ہے، یہ خوشی کا مقام ہے کہ ندوہ کی صدائے بازگشت خیبر پار تک پہونچ گئی، امید ہے کہ اس درسگاہ سے

ایسے علماء پیدا ہون گے، جو افغانستان کے مسلمانون کی دینی و دنیوی دونون ضروریات کی کفالت کر سکین گے،

—— • ——

گذشتہ اگست مین مشہور انگریز مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے ۷۷ سال کی عمر مین انتقال کیا، وہ عربی و فارسی زبان کے فاضل اور لندن اور کیمبرج یونیورسٹی مین ان دونون زبانون کے استاد رہے تھے، ان کا موضوع اسلامی تصوف تھا، اس کے وہ یورپ مین امام مانے جاتے تھے، انھون نے اسلامیات اور تصوف پر کئی کتابین لکھین، اس کی بعض قدیم اور اہم کتابون کو ایڈٹ کیا، اور انگریزی مین ان کے ترجمے کئے، شیخ ابو نصر سراج کی کتاب اللمع اور مثنوی مولانا روم کی بڑی محنت سے تصحیح کی، یہ دونون کتابین گب میموریل سیریز کی جانب سے شائع ہو گئی ہین، کشف المحجوب، مثنوی مولانا روم اور انتخاب دیوان شمس تبریز کا انگریزی مین ترجمہ کیا، اسلامی تصوف اور صوفیائے اسلام پر مستقل کتابین لکھین، عربون کی علمی و ادبی تاریخ پر ایک مبسوط کتاب لٹریری ہسٹری آف دی عربس تالیف کی ہندوستان مین ان کا نام زیادہ سر اقبال مرحوم کی مثنوی اسرار خودی کے مترجم کی حیثیت سے مشہور ہے لیکن اسلامیات سے اس دلچسپی کے باوجود ان کا دامن تعصب و تنگ نظری سے پاک نہ تھا جس کا اثر لٹریری ہسٹری آف دی عربس مین زیادہ نمایان ہے، اور یہ کتاب علمی و مذہبی دونون حیثیتون سے اعتبار کے لائق نہین ہے،

—— • ——

فلسطین کا معاملہ اب خطرہ کی آخری حد تک پہنچ چکا ہے، سرمایہ دار امریکا اور مزدور برطانی حکومت کے بعض ذمہ دار علانیہ یہودیون کی حمایت مین آوازین بلند کر رہے ہین، یہودی سورما آلات جنگ سے مسلح فلسطین کے ارد گرد منڈلا رہے ہین، اور بزور قوت فلسطین مین داخلہ کے لئے آمادہ ہین، یہ موقع تھا کہ تمام مسلمانان ہند بیک آواز فلسطین کے عرب باشندون کی تائید مین کھڑے ہوتے گو الگ الگ اسلامی سیاسی پارٹی کے ہر لیڈر نے اپنے بیانات سے عربون کی تائید کی ہے، مگر ضرورت متحدہ محاذ کی ہے کیا اندرونی سیاسی اختلاف کے ساتھ کسی عمومی اسلامی سیاسی صورتِ حال پر غور کرنے کے ہم یکجا نہین ہو سکتے،

—— • ✕ • ——

مسلمانون کے سیاسی اختلاف کی شدت اب یہان تک پہنچ گئی ہے کہ دلائل سے اپنے مسلک کی تائید و حمایت اور اپنے خدمات و ایثار سے استحقاق کے ثبوت کے بجائے محض پروپیگنڈے اور ایک دوسرے

کی مخالفت اور تحقیر و تذلیل کو اصل مقصد بنالیا ہے، بعض اخبارات کا لب و لہجہ اتنا غیر سنجیدہ ہوگیا ہے کہ اون کا پڑھنا مشکل ہے، مرتبہ شناسی کا احساس بالکل ختم ہوگیا ہے، اپنی قوم کے اکابر اور لائق احترام شخصیتون کی شان مین جیسے نازیبا الفاظ تقریرون اور تحریرون مین استعمال کئے جاتے، اور عام مجمعون مین ان کے ساتھ جو غیر شریفانہ سلوک کیا جاتا ہے، اس پر ہر مسلمان کی گردن شرم و ندامت سے جھک جانی چاہئے، افسوس کہ ہم اپنی زندگی کا ثبوت بھی دینا چاہتے ہین، تو تعمیر کے بجائے تخریب مین، کسی قوم کی شایستگی کا معیار اس کا کیرکٹر اور پختہ اخلاق ہے،

———o·×·o———

ابھی گذشتہ ہی مہینہ معارف مین مدیر نگار کے علمی سرقون کا ذکر آیا تھا، اتفاق سے اسی مہینہ کے نگار مین اس کا ایک تازہ ثبوت نظر آیا، مولانا شبلی مرحوم نے تہذیب الاخلاق علی گڈھ مین الاسدی کے مخفی نام سے "المعتزلہ والاعتزال" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا، جو مقالات شبلی جلد پنجم مین بھی چھپ چکا ہے، مدیر نگار کو غالباً اس کا علم نہ تھا انھون نے اس کو پڑا نا بھولا ہوا مال سمجھکر اس کی تمہید مین اپنی طرف سے اضافہ کرکے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ کوئی نیا مضمون ہے، "اسلام کا اولین عقل پرست فرقہ" کے عنوان سے ستمبر کے نگار مین شائع کردیا، گو نام "الاسدی" ہی کا رہنے دیا ہے، لیکن یہ صرف اس لئے کہ اگر چوری پکڑ لیجائے، تو یہ کہنے کا موقع رہے، کہ الاسدی کے نام سے شائع کیا گیا ہے، اور نہ پکڑی جائے تو مدیر نگار کی ذاتی ملکیت بن جائے، ورنہ ظاہر ہے کہ آج الاسدی سے علامہ شبلی مرحوم کو کون سمجھ سکتا ہے، اگر مدیر نگار کی نیت صالح تھی تو اصل مضمون کو بغیر کسی اضافہ کے بعینہٖ شائع کرنا اور تہذیب الاخلاق کا حوالہ دیدینا چاہئے تھا، اسے کہتے ہین مہارتِ فن،

———o·×·o———

جناب عبد السبوح صاحب قاسمی عربک اسسٹنٹ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اسرار المحبۃ کو ایڈٹ کرنا چاہتے ہین، ان کے پاس اس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے، وہ بھی کرم خوردہ، اگر ناظرین معارف مین سے کسی صاحب کے پاس اس کا دوسرا نسخہ ہو یا ان کے علم مین ہو تو وہ عبد السبوح صاحب کو اس سے استفادہ کا موقع یا اس کی اطلاع دین، یہ ایک علمی خدمت ہوگی،

مقالات

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از

سید صباح الدین عبد الرحمن (علیگ) رفیق دار المصنفین

(۴)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیار رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی محمد، لقب سلطان المشائخ، سلطان الاولیار، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیار تھا، عرف عام مین محبوبِ الٰہی کے نام سے مشہور تھے[۱]،

ان کے والد بزرگوار مسمی احمد بن دانیال غزنین[۲] سے ہجرت کرکے لاہور آئے پھر وہان سے بداون آکر سکونت پذیر ہوئے، اور اسی شہر مین ۲۷ صفر ۶۳۴ھ مین خواجہ نظام الدین اولیار کی ولادت باسعادت ہوئی جب پانچ سال کے تھے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اپنی والدہ محترمہ کے زیر تربیت پرورش پائی، ابتدائی تعلیم بداؤن کے مکتب مین ہوئی، مزید تعلیم کے لئے اپنی والدہ کے ساتھ دہلی آگئے، جو اس وقت علمار و فضلار کا گہوارہ بنا ہوا تھا، ان مین فضل و کمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین خوارزمی بہت ممتاز تھے، بلبن ان کا بیحد قدر دان تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ مین اس نے ان کو "شمس الملک" کا خطاب دیا اور "مستوفی ممالک" کے عہدہ پر مامور کیا، اس زمانہ کے مشہور شاعر تاج الدین سنگ ریزہ نے ان کی مدح مین ایک قصیدہ بھی کہا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے،

---

[۱] سیر العارفین ص ۱۱۴، اخبار الاخیار ص ۵۳، خزینۃ الاصفیار ص ۳۲۰ [۲] اخبار الاخیار مین ہے کہ خواجہ صاحب کے دادا اور نانا دونون بخارا سے لاہور آئے،

شما کنون بکام دل دوستاں شدی   مستوفی ممالک ہندوستان شدی[1]

اس عہدہ سے پہلے درس و تدریس کے لئے مشہور تھے، اس لئے خواجہ نظام الدینؒ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، مولانا شمس الدین خوارزمی نے بھی ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی، وہ عزیز شاگردوں کو نز حجرہ میں بلاکر درس دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردوں، قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبد الباقی اور خواجہ نظام الدینؒ کو حاصل تھا، مولانا شمس الدین خوارزمی کا کوئی شاگرد جب درس سے غائب ہوتا، تو جب وہ آتا تو اس سے مذاق سے پوچھتے، کہ میں نے تمھاری کیا خطا کی تھی، جو تم درس میں حاضر نہ ہوئے، بتادو تاکہ میں پھر وہی قصور کردوں، اور تم آیندہ بھی حاضر نہ ہوسکو، لیکن جب خواجہ نظام الدینؒ کا درس ناغہ ہوجاتا اور وہ استاد کی خدمت میں پہونچتے تو ان کو دیکھکر یہ شعر پڑھتے،

بارے کم از آنکہ گاہ گاہے   آئی و بما کنی نگاہے[2]

خواجہ نظام الدینؒ، دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے تھے، اس سے قریب ہی خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا مکان تھا، جو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور تھے، ان کی صحبت میں خواجہ نظام الدینؒ کے دل میں بابا فرید گنج شکرؒ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا، ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے، صبح کے وقت موذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی،

الم یان للذین آمنوا ان تخشع	کیا اس کا وقت نہیں آیا ہے، کہ جو لوگ
قلوبھم لذکر اللہ،	ایمان لائے ہیں، ان کے دل اللہ کے
(حدید - ۲)	ذکر سے اس کی خشیت سے جھک جائیں،

اس کو سُن کر ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، اور بابا فرید گنج شکرؒ کی زیارت کو اٹھ کھڑے ہوئے، اور جب اجودھن پہونچے، تو بابا صاحب نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا،

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ   سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور اسی وقت کلاہ چہار ترکی سر سے اتار کر اپنے مرید کے سر پر رکھدی[3]

خواجہ صاحبؒ اپنے پیر دستگیر کی صحبت میں ۵ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے، بابا شکر گنجؒ کی خانقاہ میں تمام درویشوں کی زندگی بڑی عسرت، تنگی اور فاقہ میں

[1] سیر العارفین ص ۱۱۵ [2] ایضاً صفحہ ۱۱۶ [3] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۲ و خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۲۹،

گذرتی تھی، مولانا بدر الدین اسحٰق لنگرخانہ کے لئے ایندھن کی لکڑیاں لاتے، شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل جاکر ڈیلہ لایا کرتے، یہ ایک قسم کا پھل تھا، جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملاکر اچار بناتے تھے، حسام الدین کابلی پانی بھر کر لاتے، اور باورچی خانہ کے برتن دھویا کرتے، خواجہ نظام الدینؒ ڈیلوں کے پکانے کی خدمت اپنے ذمہ لیتے، ڈیلے میں ڈالنے کے لئے نمک کبھی میسر ہوتا اور کبھی نہیں، جب کہیں سے کوئی غیبی مدد مل جاتی، تو پڑوس کے بقال کے یہاں سے مسالہ خرید لیا جاتا، ایک روز نمک نہ تھا، خواجہ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لے لیا، اور ڈیلہ پکاکر مرشد اور درویشوں کے سامنے لے گئے، مولانا بدر الدین اسحاق، شیخ جمال الدین ہانسوی اور خواجہ نظام الدینؒ ایک ہی پیالہ میں ساتھ کھاتے تھے، جب بابا فرید گنج شکرؒ نے لقمہ اٹھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی، اور لقمہ اٹھا نہ سکے، فرمایا کہ "ازین بوئے اسراف می آید"، اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے، خواجہ نظام الدینؒ نے لرزہ براندام ہوکر عرض کی قرض کا ہے، بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے، تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بارسے جھکی رہے گی، یہ کہہ کر پیالوں کو غربا میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا، خواجہ نظام الدینؒ کا خود بیان ہے، کہ اسی وقت انھوں نے دل میں قرض لینے سے توبہ و استغفار کی، مرید کی اس توجہ کا کشف مرشد کو ہوا تو جس کملی پر وہ بیٹھے تھے، اس کو عطا کرکے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ آیندہ تم کو قرض کی ضرورت ہی نہ پڑے گی، اور جب خواجہ صاحبؒ دہلی واپس ہونے لگے، تو مرشد نے ان کو دو باتوں کی نصیحت فرمائی، ایک یہ کہ اگر کسی سے قرض لینا تو اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا، دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی سعی کرنا، چنانچہ جب خواجہ صاحبؒ دہلی واپس آئے تو ایک عزیز کے پاس پہونچے، جس سے انھوں نے ایک کتاب مستعار لی تھی، اور وہ گم ہوگئی تھی، ان سے فرمایا کہ میری نیت صادق ہے، کاغذ مہیا کرکے آپ کی کتاب لکھ کر آپکے حوالہ کردوں گا، وہ عزیز یہ سُن کر ایسے متاثر ہوئے، کہ کتاب مذکور خواجہ صاحب کو بخشدی، وہاں سے خواجہ صاحب ایک بزاز کے پاس آئے، جس سے کسی وقت بیس ٹنکے کا کپڑا ادھار لیا تھا، دس ٹنکے دیکر بقیہ رقم بعد میں دینے کو کہا، بزاز نے دس ٹنکے تو لے لئے اور بقیہ دس خواجہ صاحبؒ کے مرشد کی صحبت کی عمدہ تاثیر کے صلے میں معاف کردیئے (مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) و سیر العارفین ص ۱۱۹، ۱۲۱ و مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ دار المصنفین)

دہلی سے کئی بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے خواجہ نظام الدینؒ اجودھن تشریف لے گئے، ایک بار مرشد نے اپنے محبوب مرید کے لئے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ مین دعا کی کہ الٰہی نظام الدین جو تجھ سے مانگا کرے، اسے عطا فرمایا کر، یہ دعا قبول ہوئی، اسی لئے خواجہ صاحب محبوب الٰہی کہلائے[1]، آخری بار جب اجودھن مرشد سے ملنے گئے تو واپسی کے وقت مرشد نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے، تم ایسے درخت ہوگے، جس کے سایہ مین مخلوق آرام پائے گی، اور نصیحت کی کہ حصول استعداد کے لئے برابر مجاہدہ کرتے رہنا،

بابا شکر گنجؒ کا جب وصال ہوا، تو محبوب الٰہیؒ اجودھن مین نہ تھے، لیکن مرشد نے عصا اور خرقہ جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ان کو ملا تھا، مولانا بدرالدین اسحٰق کی معرفت اپنے مرید کے پاس دہلی بھیجا، بابا شکر گنج کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت خلفاء مین تاج الاولیاء علاء الدین صابر بھی تھے، بابا شکر گنجؒ فرمایا کرتے تھے کہ

"علم سینۂ من بہ شیخ نظام الدین اولیاء بداؤنی رسید، و علم دل من بہ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر فائز گردیدہ"[2]،

پہلی دفعہ جب اجودھن سے خواجہ نظام الدینؒ اولیاء دہلی تشریف لائے تو شہر مین آبادی کی کثرت کی وجہ سے ان کو عبادت و ریاضت کے لئے کوئی پرسکون جگہ نہ ملی، ان دنون مرشد کی ہدایت کے بموجب کلام پاک حفظ کر رہے تھے، اس لئے جب شہر مین یکسوئی نہ ملتی تو جنگل جا کر حفظ کرتے، ایک روز قتلغ خان کے حوض کے پاس ایک درویش سے ملاقات ہوئی، اس کی باتون سے معلوم ہوا کہ شہر اس وقت فسق و فجور کا منبع ہو رہا ہے، اس لئے یہان کے قیام سے ایمان مین سلامتی اور عبادت مین استقامت پیدا نہین ہو سکتی ہے، اس گفتگو کے بعد خواجہ صاحب دہلی سے متصل ایک جگہ غیاث پور مین آ کر مقیم ہوئے، شروع مین یہان کے قیام کے زمانہ مین بڑی عسرت اور تنگی رہی، چنانچہ خود فرماتے ہین، کہ اس زمانہ مین ایک من خربوزے دو چیتل کو ملتے تھے، ساری فصل گذر گئی مگر مین ایک پھل بھی نہ چکھ سکا، اتفاقاً ایک روز ایک شخص کئی خربوزے اور کچھ روٹیان میرے پاس لایا، جس کو مین نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نعمت سمجھ کر لے لیا، اس زمانہ مین شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب جو آگے چل کر خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے خلیفہ ہوئے، ان کی خدمت مین رہتے تھے، ایک بار چار روز کا مسلسل فاقہ ہو گیا، پڑوس کی ایک نیک بی بی نے جو خواجہ

[1] سیر العارفین صفحہ ۱۱ [2] سیر الاقطاب صفحہ ۱۴۹،

نظام الدینؒ سے بیعت بھی تھین، کچھ آٹا بھیجا، شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کے ایک برتن (دیگ سفالین) مین ڈال کر آگ پر چڑھا دیا، اسی وقت ایک دلق پوش درویش آ پہونچا، اور کچھ کھانے کو مانگا، خواجہ صاحب نے دیگ کو خود اپنے ہاتھون سے اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دیا، اس نے دیگ سے کچھ گرم گرم لقمے منہ مین ڈالے، پھر دیگ کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا، اور یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا،

"شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نعمت باطن بشیخ نظام الدین اولیاء ارزانی داشت و من دیگ فقر ظاہری او بشکستم، حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی"

اس کے بعد خواجہ صاحب کی عسرت اور تنگی جاتی رہی[1]،

اسی زمانہ مین سلطان معزالدین کیقباد نے غیاث پور کے پاس کیلو کھڑی مین ایک محل بنوایا، اور ایک شہر آباد کیا، جس مین ایک جامع مسجد بھی بنوائی، اس لئے لوگون کے ہجوم سے خواجہ صاحب کی طبیعت گھبرانے لگی، اور کہین دوسری طرف چلے جانے کا ارادہ کیا، لیکن ایک روز ایک خوش رو نوجوان ان کے پاس آیا، اور یہ دو شعر پڑھے،

روزے کہ تو مہ شدی نمی دانستی — کانگشت نمائے عالمے خواہی بود

امروز کہ زلفت دل خلقے بربود — در گوشہ نشست نمی دارد سود

اور کہا:-

"اول مشہور نمی بایستی شد، این کس مشہور شد، چنان سعی کند کہ در روز قیامت از روے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرمندہ نہ گردد، از خلق گوشہ گرفتن و بحق مشغول شدن سہل است اما مردانگی و کار مردی آنست کہ خلوت در انجمن باشد و باوجود انبوہ خلق در مشغولی خلل نیفتد"[2]

یہ سن کر وہ غیاث پور ہی مین آخر وقت تک مقیم رہے، دربار کی قربت کی وجہ سے امراء کی آمد و رفت بھی ان کے یہان شروع ہوئی، اور وہ تربیت پا کر مستفیض ہوتے رہے،

سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ

"اکثر وہ متمول رؤسا جو مائل فسق و فجور تھے، شیخ کی خدمت مین افعال زشت سے تائب ہو کر وہین رہنے لگے"[3]

[1] خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۳۰ و فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۲ [2] ،، صفحہ ۳۳۰ و سیر العارفین صفحہ ۱۳۶ [3] سیر العارفین صفحہ ۱۲۳،

امیر خسرو کے نانا عماد الملک اور والد بزرگوار امیر سیف الدین لاچین بھی خواجہ نظام الدینؒ کے حلقۂ ارادت میں آکر داخل ہوئے، اور دونون کا پورا خاندان شرف بیعت سے مشرف ہوا، امیر خسرو کی عمر اس وقت جب اونھون نے اپنے محبوب مرشد کے دامن مین پناہ لی، کل آٹھ سال تھی، رفتہ رفتہ مرشد کو اس مرید سے اتنا گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا، کہ بارہا فرمایا کرتے کہ

"اے ترک من از وجود خود برنجم لیکن از تو نرنجم"[1]

امیر خسرو پر بھی مرشد کی تربیت کا اتنا اثر ہوا کہ تذکرہ نویسون کا بیان ہے کہ چالیس سال تک صائم الدہر رہے، اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش ان مین پیدا ہو گئی کہ جب لباس زیب تن کرتے، تو بعض تذکرہ نگارون کا بیان ہے کہ سینہ کے پاس کا کپڑا جل جاتا، چنانچہ محبوب الٰہی خود فرماتے ہین، کہ

"روز قیامت از ہر کس خواہند پرسید کہ چہ آوردی از من ہم پرسند خواہم گفت کہ سوز سینہ این ترک اللہ"[2]

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا، کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک ضرب المثل ہے، امیر خسرو نہ صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب تھے، بلکہ شاہی دربار سے تعلقات کی بنا پر امیر کبیر بھی تھے، لیکن اس کے باوجود وہ کبھی خلوت مین مرشد کے ادنیٰ خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت مین خوش الحان قوال کے لباس مین مرشد کو اپنی غزلیں سناتے، اور جو شعر مرشد کو پسند آجاتا، اس کو بے خود ہو کر بار بار گاتے، وہ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے، مرشد نے بھی مرید کے شعر و شاعری کے متعلق یہ اشعار موزون کئے ہین،[3]

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست ملک است کہ ملک سخن خسرو راست

این خسرو ماست ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

مرشد سے امیر خسرو کا عشق اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک بار ایک درویش نے محبوب الٰہیؒ کے پاس آکر سوال کیا، اتفاق سے اس روز لنگر خانہ مین کوئی چیز نہ تھی، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا آج جو کچھ بھی فتوح مین آئے گا تم کو

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۳۴۰ جلد اول، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین یہ الفاظ اس طرح ہین، "از خود تنگ آیم اما از تو تنگ نیایم" [2] سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۰ [3] کہا جاتا ہے کہ محبوب الٰہیؒ نے امیر خسرو کے منہ مین ایک بار اپنا لعاب دہن ڈال دیا تھا، خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۴۴

دیدیا جائے گا، مگر اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہین سے نہین آئی، فرمایا کہ کل کی فتوح تمھاری نذر کی جائے گی، دوسرے دن بھی کوئی چیز نہین آئی، بالآخر محبوب الٰہیؒ نے اپنے پاؤن کی جوتیان دے کر درویش کو رخصت کیا، وہ شہر سے باہر نکلا، تو امیر خسرو جو بادشاہ وقت کے ساتھ کہیں گئے تھے، راستہ مین ملے، اور درویش سے شیخ کی خیریت پوچھی، جب درویش باتین کرنے لگا، تو امیر خسرو نے بے اختیار ہو کر کہا،

"مرا از تو بوے پیر روشن ضمیر من می آید شاید کہ از شیخ نشانی نزد خود داری"،

درویش نے وہ نشانی دکھائی، امیر خسرو بے تاب ہو گئے، اور درویش سے پوچھا کہ اس کو فروخت کرتے ہو، وہ راضی ہو گیا، امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ نقرئی ٹنکے تھے، جو بادشاہ نے ان کو ایک قصیدہ کے صلہ مین عطا کئے تھے، یہ پوری رقم درویش کو دے کر شیخ کے نعلین خرید لئے، اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور عرض کی :-

"درویش بر ہمین اکتفا کرد، ورنہ اگر تمام جان و مال من بعوض این کفش طلب می کرد حاضر می کردم"[1]

محبوب الٰہیؒ کو بھی اپنے مرید سے ایسی شیفتگی تھی کہ فرمایا کرتے تھے، کہ اگر شریعت مین اجازت ہوتی تو مین وصیت کرتا کہ

"او را در قبر من دفن نمایند تا ہر دو یکجا باشیم"[2]

لیکن پھر یہ وصیت فرما گئے کہ

"امیر خسرو بعد از من نخواہد زیست، چون رحلت کند پہلوے من دفن کنند کہ او صاحب اسرار منست و من بے او قدم در بہشت نہم"[3]

امیر خسرو شیخ کی رحلت کے وقت دہلی سے دور سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی مہم پر تھے محبوب الٰہیؒ کا وصال ہوا تو یکایک امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اور وہ بادشاہ سے اجازت لے کر چل کھڑے ہوئے، دہلی پہنچکر معلوم ہوا کہ سلطان المشائخ اپنے محبوب سے جا ملے، یہ سن کر بے تاب ہو گئے، اپنی ساری ملکیت شیخ کے ایصال ثواب کے لئے فقراء و مساکین مین لٹا دی، اور ماتمی لباس پہن کر مزار پر انوار پر پہونچ گئے، اس سے سر کو ٹکرا کر ایک چیخ ماری کہ

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۳۴۱ و سفینۃ الاولیا ص ۱۰۰ [2] و [3] فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۳

"سبحان اللہ آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ"[1]

اور یہ کہکر بیہوش ہوگئے، اور اسی اندوہ و غم میں چھ مہینے کے بعد عالم بقا کو سدھارے لیکن وفات کے بعد شیخ کے پہلو میں دفن نہ کئے جاسکے، فرشتہ کا بیان ہے۔

"چون امیر خسرو فوت شد خواستند کہ بموجب وصیت پہلوے قبر شیخ درون گنبد دفن کنند یکے از خواجہ سرایان کہ منصب وزارت داشت و مرید شیخ بود مانع شد کہ بعضے مریدان شیخ را امیر خسرو مشتبہ خواہد شد پس اور ادر پایان شیخ برچبوترہ یاران فون ساختند"[2]

خلجی دربار کے امرا میں محمد کاشف حاجب اور ملک قرابیگ ترک بھی سلطان المشائخ کے معتقد میں تھے، ایک بار محمد کاشف علاؤالدین خلجی کی جانب سے پچاس ہزار نقرئی ٹنکے نذر لایا، یہ رقم وہ اس وقت لے کر پہنچا، جب محبوب الٰہی رشد و ہدایت کے سلسلے میں کسی عقدہ کے حل کے عہد کا ایفا کرنیوالے تھے، تحفہ دیکھ کر فرمایا، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کروں یا عہد پورا کروں، مریدوں نے عرض کی،

"وفاے عہد بہتر از ہشت بہشت ست، چہ جائے پنجاہ ہزار تنگہ"[3]

سلطان علاؤالدین خلجی نے جب ملک کافور کو ورنگل کی فتح کے لئے بھیجا، تو کچھ دنوں تک سلطان کو اس مہم کے متعلق کسی کی کوئی خبر نہ ملی، حالتِ اضطراب میں قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرابیگ کو بھیجکر محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں یہ پیام کہلایا،

"شمارا غم اسلام بیش از من ست، اگر بیامن نور باطن حقیقتی کیفیتی معلوم شدہ باشد اشا نمایند کہ خاطر از نرسیدن خبر لشکر گران ست"[4]

محبوب الٰہیؒ نے بشارت دی،

"وراے ایں فتح فتحہاے دیگر متوقع ست"[5]

چنانچہ اسی روز ورنگل کی فتح کی خبر ملی، سلطان علاؤالدین نے خوشی میں سلطان الاولیاء

---

[1] سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۰ و مونس الارواح [2] فرشتہ جلد دوم صفحہ ۴۰۴، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے کہ امیر خسرو نے اپنے مرشد کے وصال کے ساڑھے تین مہینے کے بعد انتقال کیا۔

[3] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ و سیر العارفین ص ۱۳۴ [4] فرشتہ جلد اول ص ۱۱۵ و تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی صفحہ ۳۳۱ [5] ایضاً

کی خانقاہ کے لئے پانچسو اشرفیاں بھیجیں، ملک قرابیگ اشرفیاں لیکر پہنچا تو اس کو دیکھ کر ایک خراسانی قلندر نے محبوب الٰہیؒ سے کہا کہ الہدایا مشترک (یعنی ہدیہ مشترک ہوتا ہے) محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا، تنہا خوشتر (یعنی اگر تنہا لیا جائے تو اس سے بہتر ہے) یہ کہکر تمام اشرفیاں قلندر کے حوالہ کر دیں[1]

ملک قرابیگ کو علاء الدین نے یہ ہدایت دے رکھی تھی، کہ محبوب الٰہیؒ کو محفل سماع میں جس شعر پر وجد آئے، اس کو وہ لکھ لیا کرے، اور اگر سنایا کرے، مراۃ الاسرار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان اشعار کو سن کر علاؤالدین کو قلبی راحت محسوس ہوتی تھی[2]، ایک بار محبوب الٰہی کو حکیم سنائی کے ان دو شعروں پر وجد طاری ہوا،

بیش منما جمال جان افروز	ورنمودی بر و سپند بسوز
آن جمال تو چیست ہستی تو	وان سپند تو چیست مستی تو

قرابیگ اس کو لکھ کر سلطان علاؤالدین خلجی کے پاس پہنچا، سلطان ان اشعار کو بار بار پڑھتا، آنکھوں سے لگاتا اور تعریف کرتا تھا، قرابیگ نے سلطان کی یہ عقیدت دیکھ کر کہا اس حسن اعتقاد کے باوجود آپ نے شیخ سے اب تک ملاقات نہیں کی ہے جو تعجب کا باعث ہے، سلطان نے جواب دیا،

"اے قرابیگ ترک ما بادشاہیم از سر تا پا آلودہ دنیا و بدین آلودگی شرم می دارم کہ آنچنان پاکی را بہ بینم"

لیکن اسی وقت اپنے جگر گوشوں خضر خان اور شادی خان کو محبوب الٰہیؒ کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہونے کیلئے دو لاکھ ٹنکے کے ساتھ بھیجا، دونوں مرید ہو کر محبوب الٰہی کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے، خضر خان ہی نے خانقاہ اور مقبرہ کی عمارت بنوائی ہے[3]،

خضر خان محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت میں آچکا، تو مولانا عبد الحق دہلوی لکھتے ہیں کہ

"ایک بار سلطان علاؤالدین خلجی نے شیخ کے امتحان کی غرض سے ان کی خدمت میں امورِ سلطنت کی اصلاح کے متعلق چند فصلیں لکھیں، جن میں ایک فصل کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ حضرت شیخ تمام دنیا کے مخدوم ہیں، اور دین و دنیا میں جس شخص کو کوئی ضرورت ہوتی ہے ان کی خدمت سے پوری ہوتی ہے، اور خداوند تعالیٰ نے دنیا کی سلطنت کی باگ ہمارے ہاتھ میں دی ہے، تو

---

[1] سیر العارفین ص ۱۴۳، [2] مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین، [3] سیر العارفین ص ۳۰-۱۳۵۔ مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [4] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ و سیر العارفین ص ۱۳۶،

ہم کو چاہئے کہ جو کام اور جو مصلحت سلطنت مین پیش آئے، حضرت شیخ کی خدمت مین پیش کرین تاکہ جس چیز مین ملک کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو اس سے وہ مطلع فرمائین، اس لئے چند فصلین اس باب مین شیخ کی خدمت مین بھیجی جاتی ہین، ان مین جو اچھی باتیں ہون تو مہربانی کرکے لکھ دین، تاکہ ہم اس پر عمل کرین"، اس کاغذ کو خضر خان کے ذریعہ جو اس کے تمام لڑکون مین زیادہ محبوب اور شیخ کا مرید تھا، شیخ کی خدمت مین بھیجا، جب خضر خان نے اس کاغذ کو شیخ کے ہاتھ مین دیا، تو انھون نے اس کو نہین پڑھا، اور حاضرین مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہین، پھر فرمایا کہ فقیرون کو بادشاہ کے کام سے کیا مطلب، مین ایک فقیر ہون، اور شہر سے الگ ایک گوشہ مین رہتا ہون، اور بادشاہون اور مسلمانون کی دعاگوئی مین مشغول ہون، اس لئے بادشاہ اس کے بعد مجھ سے کہے گا تو مین اس جگہ سے بھی چلا جاؤن گا، خدا کی زمین کشادہ ہے، جب یہ خبر سلطان علاؤالدین کو پہنچی، تو خوش ہو کر معتقد ہو گیا، اور کہلا بھیجا کہ اگر قبول فرمائین تو مین شیخ کی خدمت مین حاضر ہون، شیخ نے فرمایا کہ آنے کی ضرورت نہین مین غائبانہ دعا مین مشغول ہون اور غائبانہ دعا اثر رکھتی ہے، سلطان علاؤالدین نے ملاقات کے لئے پھر اصرار کیا، تو شیخ نے کہلا بھیجا، کہ اس ضعیف کے گھر مین دو دروازے ہین، اگر بادشاہ ایک دروازہ سے تشریف لائین گے، تو مین دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاؤن گا"[1]

علاء الدین خلجی کے عہد مین محبوب الٰہی کے فیوض و برکات سے ملک مین جو عام انقلاب پیدا ہوا اس کی تصویر ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی مین کھینچی ہے، اس مین پہلے تو بعض اور مشائخ کرام کے اثرات کا ذکر ہے، پھر محبوب الٰہی کی نگاہ کیمیا اثر اور صحبت روح پرور سے خواص و عوام مین جو غیر معمولی تبدیلیان پیدا ہوئین ان کی تفصیل ہے:۔

"سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ مین سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدینؒ شیخ الاسلام علاء الدینؒ، اور شیخ الاسلام رکن الدینؒ سے آراستہ تھا، کہ ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہو گئی، اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا، اور ان کی مدد سے گنہگارون نے توبہ کی، اور ہزارون بدکارون اور بے نمازیون نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا، اور ہمیشہ کے لئے پابند نماز

[1] اخبار الاخیار ص ۵۶ - ۵۵۔

ہو گئے، اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی، اور توبہ صحیح ہو گئی، اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا، اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانون کے نوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلون سے کم ہو گئی، اور سالکون کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصاف عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل مین پیدا ہونے لگی، اور ان بزرگون کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگون کے معاملات مین سچائی پیدا ہو گئی، اور ان پیرون کے مکارم اخلاق، مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے خدا والون کے دلون مین اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہون کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا مین ہونے لگی، اور آسمانی مصیبتون کے دروازے بند ہو گئے، اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا کی مصیبت مین مبتلا اور گرفتار نہین ہوئے اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گذاری کی برکت سے مغلون کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا رخصت ہوا، اور یہ تمام بلا مین اس قدر آوارہ اور تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ نہین ہو سکتے، اور یہ تمام باتین جو ان تینون بزرگون کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئین، وہ شعار اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئین اور احکام شریعت و طریقت سے جو رونق و رواج حاصل ہوا اس کا کیا کہنا، کتنا عجیب زمانہ وہ تھا جو سلطان علاؤالدین کے آخری دسوین سال مین نظر آیا، ایک طرف سے سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام نشی اور ممنوع چیزون کو اور فسق و فجور کے اسباب کو قہر و غلبہ، تعزیر و تشدد، قید و بند سے روک دیا، اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستون کے لئے گناہون کا آلہ اور حریصون، بخیلون اور تاجرون کے لئے سود و ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پردازون کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکون کے لئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسل مندی پیدا کرنے والا ہے، اور عبادت گذارون کے لئے نسیان و فراموشی کا باعث ہے، سلطان علاؤالدین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا مالدارون اور حکام سے سختی سے لے لیتا، اور بازار والون کو کہ دنیا کی تمام قومون مین

سے سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے، سچائی اختیار کرنے والی سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچے کپنے کے لئے خون خرابہ مین رکھتا تھا، دوسری طرف اسی زمانہ مین شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا، اور گناہگارون کو خرقہ پہناتے، اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے، اور خاص وعام، غریب و دولتمند، بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، شریف و رذیل، شہری اور دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے، اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہون سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہوجاتی تھی، تو پھر از سر نو بیعت کرلیتے، اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے، اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگون کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیون سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد و عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر نماز ادا کرتے تھے، اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہوگئے تھے، آزاد اور نیک کام کرنے والون نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیئے تھے، چھپر ڈالدیئے تھے، کنوین کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے، چٹائیاں بچھوا دی تھیں، ہر چبوترہ اور ہر چھپر مین ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کردیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگون کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے مین نماز کے ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لئے کوئی تردد نہ ہو، اور ہر چبوترہ اور ہر چھپر مین نفل پڑھنے والے نمازیون کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، ارتکاب گناہ لوگون کے درمیان کم ہوگیا تھا اور اکثر آدمیون کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیقات زیادہ تھیں کہ ان نوافل مین ہر وقت کتنی رکعتین ادا کرتے ہین، اور ہر رکعت مین کلام پاک کی کون سی سورہ اور کون سی آیت پڑھتے ہین، اور اوقاتِ پنجگانہ نماز مین اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائین آئی ہین، اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدون سے غیاث پور کی آمدورفت کے وقت پوچھتے تھے، کہ شیخ رات کی نماز کتنی رکعتین

ادا کرتے ہین، اور ہر رکعت مین کیا پڑھتے ہین، اور عشا کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود بھیجتے ہین، اور شیخ فریدؒ اور شیخ بختیارؒ رات دن مین کتنی بار درود بھیجتے تھے، اور کتنی بار سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدون سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے، اس نیک زمانہ مین اکثر آدمیون کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہوگیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدون کی صحبت مین رہتے تھے، پرانے مریدون کو طاعت، عبادت، ترک تعلق، تصوف کی کتابون کے پڑھنے، مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیا دارون کا ذکر ان کی زبان پر نہین آتا تھا کسی دنیا دار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہین کرتے تھے، دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایت نہین سنتے تھے، اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے، کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ مین اس حد تک پہونچ گیا تھا، کہ بادشاہ کے محل مین بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری شاہی نوکر، شیخ کے مرید ہوتے تھے، اور وہ چاشت و اشراق کی نمازین ادا کرتے تھے، ایام بیض عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے، اور کوئی محلہ ایسا نہین تھا جس مین ایک مہینہ بیس دن کے بعد صلحاء کا اجتماع نہ تھا، اور صوفیون کی محفل سماع نہ قائم ہوتی، اور باہم گریہ وزاری نہ کرتے، شیخ کے چند مرید تراویح کی نمازین مسجدون اور گھرون مین ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہوچکے تھے، رمضان، جمعہ اور تہوارون کی راتون مین قیام کرتے، اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے، شیخ کے مریدون مین سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نمازین گذارتے، بعض عبادت گذار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ کے مریدون مین سے چند آدمیون کو مین جانتا ہون، کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف وکرامات ہوگئے تھے، شیخ کے مبارک وجود اُن کے انفاس پاک کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہوگئے تھے، سلطان

علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہوگیا تھا، خواص و عوام کے دل نیکی اختیار کرلی تھی، عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر کبھی نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے، مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سودخواری ذخیرہ اندوزی کھلم کھلا مرتکب نہیں ہوسکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے وغیرہ کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہوگئی تھی، قوۃ القلوب، احیاء العلوم، ترجمۂ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد امیر حسن سجزی کے بہت سے خریدار پیدا ہوگئے تھے، زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے، کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹا اور چرمی طشت گراں ہوگئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنیدؒ و شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا[1]۔

سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ ملک کافور کی مدد سے خضر خان اور شادی خان کو قتل کرکے تخت نشین ہوا، خضر خان اور شادی خان محبوب الٰہیؒ کے خاص اور عزیز مریدوں میں تھے، اس لئے سلطان قطب الدین ان سے بدگمان ہوگیا، اور پھر اس کی یہ بدگمانی عداوت میں تبدیل ہوگئی، اور مصلحۃً وہ پہلے سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید ہوگیا، اور سلطان الاولیاءؒ کی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کردیا، اس وقت سلطان الاولیاء کے لنگر خانہ کا خرچ روزانہ دو ہزار ٹنکہ تھا، درویشوں اور مسکینوں کو داد و دہش اس خرچ کے علاوہ تھی، سلطان قطب الدین کے بعض مفسد امراء نے اس کے کان بھرے، کہ یہ تمام اخراجات ان امراء کے نذرانے کی رقم سے پورے ہوتے ہیں، جو خانقاہ آیا جایا کرتے ہیں، اس لئے قطب الدین نے امراء کی آمد و رفت سختی سے روک دی، مگر اس سے لنگر خانہ کے اخراجات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑا،

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۴۶-۳۴۷۔

سارے اخراجات غیبی امداد سے پورے ہوتے رہے جس سے قطب الدین کی پرخاش اور بھی بڑھ گئی، اور اس نے محبوب الٰہیؒ کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا، مگر محبوب الٰہیؒ نے اس حکم کا یہ جواب دیا :-

"من مرد منزویم جائے نمی روم، نیز رسم و عادت ہر سلسلہ نوعی باشد، قاعدہ بزرگان ما نبود که بدیوان روند، و مصاحب پادشاہان شوند، درین باب معذور دارید و بحال خود بگذارید"

لیکن مغرور بادشاہ نے اس عذر کو قبول نہ کیا، اور حکم دیا، کہ وہ ہفتہ میں دو بار دربار آیا کریں، محبوب الٰہیؒ نے بادشاہ کے پیر شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں، کہ درویشوں کو رنج پہنچانا کسی مذہب میں روا نہیں، مگر اس پیام کے پہونچنے سے پہلے شیخ ضیاء الدین رومی کا انتقال ہوگیا، ان کی فاتحہ خوانی کے لئے ان کے مقبرہ میں بادشاہ اور اس کے اکابر امراء شریک ہوئے، محبوب الٰہی نے بھی اس مجلس میں شرکت کی، جس وقت وہ تشریف لائے، تمام حاضرین تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، محبوب الٰہی نے بادشاہ کو سلام کیا، اس نے جواب نہیں دیا، لیکن اس نے دیکھا کہ تمام حاضرین محبوب الٰہیؒ کو سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں، اس سے اس کا حسد اور بھی بڑھا، اور مجلس کے ختم ہونے کے بعد ایک محضر کے ذریعہ ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو محبوب الٰہی کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم جاری کیا، شیخ عماد الدین طوسی، شیخ وحید الدین قندزی، مولانا برہان الدین اور دوسرے اکابر یہ محضر لیکر محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور گذارش کی کہ بادشاہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کی ناعاقبت اندیشی ہے، پھر بھی وہ (یعنی محبوب الٰہی) دربار میں تشریف لاکر ایک فتنہ کو روک دیں، محبوب الٰہیؒ نے یہ کہکر ان کو رخصت کیا کہ

"ببینم چہ بظہور پیوندد"

انھوں نے واپس جاکر سلطان کو اطمینان دلایا، کہ محبوب الٰہی دربار میں آنے کے لئے راضی ہوگئے ہیں، وہ خوش تھا کہ شیخ نے اس کی اطاعت قبول کرلی ہے، مگر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے کچھ روز پہلے محبوب الٰہی نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ میں اپنے مرشدوں کے خلاف دستور کوئی کام نہ کروں گا، اس سے مریدوں میں بڑی سراسیمگی اور پریشانی پیدا ہوگئی، کہ سلطان الاولیاء اور سلطان دہلی کے تصادم سے ایک بڑی مصیبت بپا ہوجائے گی، مگر محبوب الٰہی کو کشف ہوچکا تھا، کہ وہ نہ دربار جائیں گے، اور نہ کوئی تصادم ہوگا، چنانچہ سلطان قطب الدین جس روز دربار میں محبوب الٰہی کی آمد کا منتظر تھا، اسی روز محل کے اندر شورش ہوئی اور خسرو خان کے ہاتھوں وہ قتل ہوا،

خسرو خان تخت نشین ہوا، تو اس نے اپنی سیہ کاریون پر پردہ ڈالنے کے لئے ملک مین روپیے تقسیم کئے، مشائخ کرام کے پاس بھی روپے بھجوائے، محبوب الٰہیؒ کے پاس بھی پانچ لاکھ ٹنکے پہونچے، انھون نے اسی وقت ساری رقم فقرا مین تقسیم کر دی، چار مہینے کے بعد غیاث الدین تغلق نے خسرو خان کی سرکوبی کی، اور خود تخت پر بیٹھا، جن لوگون کو خسرو نے روپیے دیئے تھے، ان سے غیاث الدین تغلق نے واپس مانگے، اس حکم پر دوسرے مشائخ کرام نے روپے واپس کر دیئے، لیکن محبوب الٰہیؒ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی،

سلطان غیاث الدین تغلق طبعاً "دین دار"، "دین پرور" "حق گذار" اور حق شناس واقع ہوا تھا، چنانچہ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ

"از برائے جریان احکام شریعت قاضیان و مفتیان و داد بک و محتسبان عہد او را آبروی بس بسیار و آشنائی تمام پیدا آمدہ بود"[1]

سلطان کی اس دینداری اور شریعت کی پابندی سے فائدہ اٹھا کر علماے ظاہر نے اس سے سماع کی ممانعت مین ایک عام شاہی حکم جاری کرا دیا، لیکن محبوب الٰہیؒ کے یہان محفل سماع بدستور جاری رہی، جاہ طلب علماء نے ان کے خلاف شورش کی تو سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک محضر طلب کیا، جس مین مسئلۂ سماع کی تحقیق کے لئے تمام مشائخ عظام و علماے کبار جمع کئے گئے، محبوب الٰہی بھی اس مجلس مین شریک ہوئے، بحث شروع ہوئی، تو دونون طرف سے سماع کی اباحت اور حرمت کے دلائل پیش کئے گئے، چاشت کے وقت سے زوالِ آفتاب تک مناظرہ قائم رہا، مباحثہ مین بڑی گرما گرمی رہی، محبوب الٰہیؒ نے نفس غنا کے جواز مین جب حدیثین پیش کین تو علماے احناف نے کہا کہ تم مقلد ہو، تم کو حدیث سے کیا مطلب، اگر فقہ حنفی کی روایت ہو تو پیش کرو، یہ سن کر محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، کہ وہ ملک کیونکر آباد رہے گا، جس مین لوگون کی راے کو احادیثِ نبوی پر ترجیح دی جاتی ہو، بالآخر شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولنا علم الدین نے جو اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، اور جن کا سلطان غیاث الدین بھی معتقد تھا، محبوب الٰہیؒ کی موافقت یعنی سماع کی اباحت مین فیصلہ دیا جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے محبوب الٰہی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ مجلس سے رخصت کیا، محبوب الٰہیؒ خانقاہ واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاء الدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی، اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴۴ [2] سیر العارفین صفحہ ۵۶ و ۱۵۵ و فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۴،

"دہلی کے فقہا میری عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھون نے وسیع میدان پایا، اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتین کہین، اور آج ایک تعجب انگیز بات یہ دیکھی گئی، کہ استدلال کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثین نہین سنتے، اور مجھ سے کہتے ہین کہ ہمارے شہر مین فقہی روایت پر عمل کرنا حدیث سے مقدم سمجھا جاتا ہے، اور اس قسم کی باتین وہ لوگ کہتے ہین جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتقاد نہین، جب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح بیان کی گئی، تو برہم ہوئے، اور منع کیا، اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہین"[1]

بعض تذکرہ نگارون اور مورخون نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ مین بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا تو اس نے محبوب الٰہیؒ کے پاس یہ پیام لکھ بھیجا،

"وقتیکہ ما در دہلی بیائیم شما از غیاث پور بیرون روید کہ بسبب سکونت شما کثرت مردم از بس در آنجا می باشد و جاے براے متوسلان بادشاہی نمی ماند"[2]

اس پیام کو پڑھ کر محبوب الٰہیؒ کی زبان سے صرف یہ نکلا :-

"ہنوز دہلی دور است"

"چنانچہ غیاث الدین تغلق شہر سے تین کروہ کے فاصلہ پر ایک مقام افغان پور مین ایک نئی عمارت مین مقیم تھا کہ اچانک یہ عمارت رات کو گر گئی، جس کے نیچے دب کر وہ جان بحق ہو گیا، مگر تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ یہ مشہور روایت محض عوام کی ہے[3] جس کا

---

[1] معارف ماہ دسمبر ۱۹۲۵ء فرشتہ نے لکھا ہے کہ محبوب الٰہی نے اس مناظرہ مین یہ حدیث "السماع مباح لاہلہ" پیش کی تھی جو صحیح نہین، یہ فقرہ امام غزالی نے احیاء العلوم مین بطور فتوی لکھا ہے مفصل بحث کے لئے دیکھو معارف ماہ اکتوبر، نومبر دسمبر ۱۹۲۶ء، مولانا فخر الدین زرادی خلیفہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اباحت سماع مین ایک رسالہ تالیف کیا تھا جس کا نام کشف القناع عن وجوہ السماع رکھا ہے [2] خزینۃ الاصفیاء ص ۳۳۲، طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۱۹۶ مین پیام کے الفاظ یہ ہین، چون من بدہلی برسم، شیخ از شہر بدر رود، فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۸ مین ہے تا آمدن من بدہلی نباید بود، بعد ازین از غیاث پور روید [3] منتخب التواریخ مین اس روایت کی ابتدا اس طرح کی گئی کہ "در میان اہل ہند مشہور است" (جلد اول ص ۲۲۵)

شاید حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ مولانا ضیاء الدین برنی جو محبوب الٰہیؒ کے خلفاء میں تھے، اپنے مرشد کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ایذا رسانی اور تعدی کا ذکر اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مطلق نہیں کرتے، بلکہ سلطان کی "دین پروری"، "دین پناہی"، "حق گذاری"، "حق شناسی"، "عبادت گذاری"، "نیک نفسی"، "انصاف پرستی"، اور "شریعت پسندی" کا بار بار ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں کرتے ہیں[51]۔

غیاث الدین تغلق کا جانشین سلطان محمد تغلق محبوب الٰہیؒ کا معتقد رہا، لیکن اس کی حکومت کے پہلے ہی سال ۷۲۵ھ میں ان کا وصال ہو گیا،

محبوب الٰہیؒ تمام عمر صائم الدہر رہے[52]، شغلِ باطن سے ان کی آنکھیں سُرخ رہتیں، ان ہی خمار آلود آنکھوں کی کیفیت پر امیر خسروؒ نے یہ شعر کہا تھا ؎

تو شبانہ می نمائی کہ بہ برکہ بودی امشب
کہ ہنوز چشمِ مستت اثر خمار دارد[53]

عبادت و ریاضت کی کثرت کی وجہ سے محبوب الٰہیؒ "نہنگ دریاے وحدت"، "پلنگ بیداے محبت و معرفت"، "مسند نشین سپہر صدق و صفا"[54]، "ملک الاتقیاء"، "نقادۂ مشائخ عظام" اور "عارف معارف ربانی کہلاتے تھے[55]، فرماتے تھے، کہ ہر وجود دو عدم کے بیچ میں ہے، یعنی وہ نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں ہو گا، ایسا وجود گویا عدم کے برابر ہے، انسان کا وجود بھی بین العدمین ہونے کے سبب عدم کے برابر ہے، پھر انسان ایسی زندگی پر اعتماد کر کے تعطل اور غفلت میں کیوں گذارے، عمر کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ہر وقت خدا کی یاد میں استغراق ہو[56]، اس پر خود بھی عمل کرتے تھے، چنانچہ اخبار الاخیار کے مولف رقمطراز ہیں:

"در آخر عمر کہ سن شریفش از ہشتاد متجاوز شدہ بنہایت مجاہدہ پیش گرفتہ بود[57]"

مگر خالق کے ساتھ اس استغراق کے باوجود اس کی مخلوق کو کسی حال میں نہیں بھولتے، ایک بار بابا گنج شکرؒ کے نبیرہ شیخ شرف الدین، شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر شیخ بدر الدین سمرقندیؒ کے عرس میں شریک تھے، مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ شیخ نظام الدینؒ رات دن بے شمار دولت مخلوق خدا میں تقسیم تو ضرور کرتے ہیں، لیکن اہل و عیال کے جھگڑے سے پاک ہیں، اس لئے دنیا کا کوئی غم والم ان کو لاحق نہ ہوتا ہو گا،

---

[51] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴۰، ۴۴۶ [52] اخبار الاخیار ص ۵۰ [53] ایضاً صفحہ ۵۵ [54] سیر العارفین ص ۱۱۵،
[55] مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین [56] فوائد الفواد ص ۴۳ [57] اخبار الاخیار صفحہ ۵۴،

یہ سُن کر شیخ شرف الدین حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس کو نقل کرنا ہی چاہتے تھے، کہ محبوب الٰہیؒ نے خود ہی فرمایا،

"بابا شرف الدین جو رنج و غم میرے دل پر وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص اپنا غم والم مجھ سے بیان کرتا ہے، اُسے سُن کر اس سے دو چند زیادہ رنج و غم مجھ کو ہوتا ہے، جس کی شرح میں نہیں کر سکتا، معلوم نہیں وہ لوگ کیسے سنگ دل ہیں، جو اپنے دینی بھائیوں کا غم والم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آہ نہ کریں، ان پر بڑا تعجب ہے[58]"

چنانچہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ اس تعلق خاطر کی بنا پر ان کی ذات سے جو فیض پہنچا، اس کا اندازہ مولانا ضیاء الدین برنی کے گذشتہ اقتباسات سے ہو گا، ادنیٰ مثال یہ ہے، کہ صوم دوام رکھنے کے باوجود افطار میں کوئی چیز صرف چکھ لیتے، اس کے بعد سحری میں کچھ کھاتے، اور اکثر ایسا بھی ہوتا، کہ اس وقت کچھ نہ کھاتے، خادم عرض کرتا کہ اگر آپ اس وقت بھی کچھ نہ تناول فرمائیں گے، تو کمزوری آجائے گی، قوت برقرار نہ رہے گی، یہ سن کر روتے اور فرماتے کہ

"چندین مسکینان و درویشان در کنج ہاے مساجد و دوکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ افتادہ،
این طعام در حلق من چگونہ فرو رود[59]"

اس کے بعد خادم سامنے سے کھانا اٹھا لیتا،

خدا کی کسی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے، غیاث پور کے قریب کا رہنے والا ایک شخص چھجو نامی بلا وجہ ان کا دشمن ہو گیا تھا، اور ایذا رسانی پر کمر بستہ رہتا تھا، لیکن جب اس کی وفات کی خبر ملی، تو اس کے جنازہ میں شریک ہوئے، اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا کی، اور اس سے جو تکلیفیں پہونچی تھیں، ان کو معاف کر کے اَرحَمُ الرَّاحِمین سے اس کی مغفرت کے لئے دعائیں کیں[60]،

وصال کے روز لنگر خانہ اور ان کی ملکیت میں جتنی اشیاء تھیں، غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیں، پھر بقیہ خاص سے مختلف چیزیں مختلف خلفاء کو عطا کیں، اور ان کو خاص مقامات پر جانے کا

---

[58] سیر العارفین ص ۴۴، فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۶ [59] اخبار الاخیار ص ۵۴ [60] سیر العارفین ص ۱۲۵،

حکم دیا، حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ بابا فرید گنج شکرؒ کا عنایت کیا ہوا مصلیٰ، خرقہ، تسبیح اور کاسۂ چوبین دے کر فرمایا،

"شما را در دہلی باید بود، وجفاے مردم باید کشید"

اس کے بعد عصر کی نماز ادا کی [۱] اور آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا کہ یہ آفتاب دین ابد کے پردہ میں مستور ہوگیا، تاریخ وفات روز چہار شنبہ ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ ہے، مزار پرانوار دہلی میں ہے، جہاں آج بھی خواص وعوام کا ہجوم رہتا ہے، (باقی)

---

[۱] خزینۃ الاصفیا، جلد اول صفحہ ۳۳۲ [۲] مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین،

حیاتِ شبلی

حصۂ اول

حیاتِ شبلی جس کا مدتون سے شائقین کو انتظار تھا، چھپ کر شائع ہوگئی ہے، یہ کتاب تنہا علامہ شبلی مرحوم کی سوانح عمری نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، اصلاحی اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت، اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، اور خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لے کر، انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ واودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش وجستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علما، کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین، اس کی ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہے، اس کے علاوہ دار المصنفین، ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اور شبلی انٹر کالج کی عمارتون کے ۱۳ ہاف ٹون بلاک فوٹو بھی شامل ہین، کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت غیر مجلد ۸ مجلد ۹

"منیجر"

غزالی کا نظریۂ علم وعرفان

از

جناب شوکت سبزواری ایم اے، ریسرچ اسکالر

امام غزالی حکماے اسلام مین ایک بلند ترین درجے پر فائز ہین، انھون نے اپنی تابل قدر علمی اور حکیمانہ تصانیف سے اسلامی ادبیات کے دامن کو بیش از بیش مالا مال کیا ہے، اسلامی علوم وفنون کا کوئی شعبہ بھی نہ ہوگا جس مین اس پر عظمت شخصیت نے اپنی کوئی تصنیف نہ چھوڑی ہو، اور اپنی علمی موشگافی اور فلسفیانہ بحث وجستجو کے بے شمار چشمون سے اُسے سیراب نہ کیا ہو، اس مفکر کی زندگی تمام تر تحقیق وطلب کے لئے وقف ہوچکی تھی، وہ اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے کائنات اور خالق ارض وسماوات کے اسرار ورموز اور حقائق پر غور وفکر فرماتے رہتے تھے، ان کا یہ والہانہ شوق وجستجو براہ راست اثر تھا قرآنی تعلیمات اور اسلامی روایات کا اس لئے میرا یقین ہے کہ ان کی داستان طلب وجستجو مین جہان علم وعرفان کے نامحدود حقائق پنہان ہین، وہان وہ عملی تفسیر بھی ہے قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی:

الذین یذکرون اللہ قیاما	صاحبان ہوش وہ ہین جو اٹھتے بیٹھتے اور
وقعودا وعلی جنوبھم و	لیٹے خدا کا ذکر کرتے ہین اور ارض وسما
یتفکرون فی خلق السمٰوٰت	کی خلقت پر غور وفکر کرتے رہتے ہین، اور
والارض ربنا ما خلقت ھذا	کہتے ہین کہ اے خدا تو نے اس کائنات
باطلا، (آل عمران - ۲۰)	کو بے سود پیدا نہین کیا،

امام غزالی کی زندگی نام ہے ذکر وفکر کا، اور وہ صحیح معنی مین سب سے پہلے اسلامی مفکر، اسلامی حکیم اور اسلامی فلسفی ہین، جنھون نے قرآن کی صاف اور واضح تعلیمات کو فلسفۂ یونان کے نامسعود اثر سے پاک کیا، اور ذکر وفکر اور بحث ونظر سے متعلق خالص اسلامی نقطۂ نظر، اسلامی اسلوب، اسلامی طریقے اور اسلامی

روایات متعین فرمائین، یونانی فلسفے نے جہان اسلامی مفکرون مین ایک خاص نقطۂ نظر اور تحلیلی بحث کا ایک خاص شوق پیدا کر دیا تھا، وہان اس سے ایک برا اثر بھی رونما ہوا تھا، کہ قرآن کا اصل منہاج یعنی کائنات و حیات کا براہ راست مطالعہ اور گرد و پیش کے ٹھوس حقائق کا ذاتی احساس یا قریبی تعلق کسی قدر عقب مین جا پڑا تھا، ہر مسئلے کو ارسطو کے بتائے ہوے منطقیانہ اصولون پر پرکھا جاتا تھا، اور قیاس و استدلال یا حجت و برہان کے طریقے جو یونان مین مقرر کئے جا چکے تھے، ان مین کسی کاٹ چھانٹ اور تراش و خراش کی کوئی گنجایش باقی نہ رہی تھی،

خاص اس اثر سے اسلامی دنیا مین جو تحریکین وجود مین آئین ان مین قدیم علم کلام اور اعتزال (Rationalism.) خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہین، یہ دونون تحریکین ایک حیثیت سے ایک دوسرے سے متبائن ہین، یہ مخالف جہت کی دو حرکتین ہین، اعتزال وہ حرکت ہے جو یونانی فلسفے کی طرف کی گئی ہے، اور اس غرض سے کی گئی ہے، کہ اُسے اپنایا جائے، اسلام کے نظام حیات کو فلسفۂ یونان سے قریب تر کر دیا جائے، یونانی فلسفے کی روح استدلال اور عقلیت پرستی (Intellectualism.) کے عناصر کے اسلامی تعلیمات مین سمو دیئے جائین، اور اسلام و قرآن کے احکام کو فلسفۂ یونان کے قالب مین ڈھال لیا جائے، اس غرض سے بہت سے اسلامی احکام و مسائل کی تاویلین روا رکھی گئین، اور منطقیانہ تجزیہ کے بعد بعض نہایت سادہ اور فطری اصول بہت کچھ بدل دیئے گئے، قدیم علم کلام اس حرکت سے وجود مین آیا، جو یونانی فلسفے سے اسلام کی طرف اور اس کے موافق کی گئی تھی، اس تحریک کے زیر اثر تقریبی طور سے تمام مذہبی ذخیرے کی جانچ پڑتال عمل مین آئی، اور خصوصیت کے ساتھ مابعد الطبعیاتی مسائل یعنی ذات و صفات خداوندی، حدوثِ عالم، یوم آخرت، جزائے اعمال، اور ترکیب کائنات کو انہی اصول اور قاعدون کے مطابق بحث مین لایا گیا، جو یونانی حکمت اور منطق مین استعمال ہوتے تھے، اور اسلامی زاویہ ہائے نگاہ کو ان پر پرکھا بھی گیا،

طبعی طور پر اس کا یہ اثر ہوا کہ یونانی استدلال اور اس کا طرق بحث اسلامی ادبیات مین کچھ اس طرح رچ بس گیا، اور اسلامی ارباب فکر پر چھا گیا، کہ وہ اسلامی روح بحث اور اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل غافل ہو گئے، ان کی نگاہون سے تجسس علم و عرفان کی وہ تمام راہین اوجھل ہو گئین، جو حقیقت کی منزلون تک ان کو لے جاتی تھین، اسلام چاہتا تھا، کہ وہ حیات و کائنات کا برہنہ آنکھون سے مشاہدہ کرین، لیکن وہ

مصنوعی چشمون اور موٹے موٹے شیشون سے خارجی دنیا کو دیکھنے کے ایسے خوگر ہو گئے، کہ قریب تھا ان کی آنکھین اپنی فطری روشنی اور چمک تک کھو بیٹھین، اور عینک اتارنے کے بعد بیرونی نور سے خیرہ ہو جائین،

غزالی سب سے پہلے عالم ہین جنھون نے یونانی فلسفے کی اس متحرک روح کو دبا دیا، اور اس کے زیر اثر اسلام مین عقلیت پسندی کا جو بے پناہ سیلاب بڑھتا چلا آ رہا تھا، اس کا فلسفیانہ تشکک وارتیاب (Philosophical scepticism.) سے پوری طرح مقابلہ کیا، اس حیثیت سے امام غزالی کو جرمنی کے مشہور فلسفی کانٹ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، ڈاکٹر اقبال مرحوم نے لکھا ہے:-

"بہر حال اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ امام غزالی کا مشن پیمبرانہ ہے، اور اٹھارہوین صدی عیسوی کے جرمن فلاسفر کانٹ سے بہت مماثل ہے"[1]

کانٹ دنیائے فلسفہ مین ایک خاص مقام کا مالک ہے، اس کا فلسفہ انتقادی فلسفہ کہلاتا ہے جس مین عقل نظری (pure reason) یا فکر انسانی (Thought) کے اعمال کا جہاں محققانہ جائزہ لیا گیا ہے، وہان اوس کی حدود بھی متعین کر دی گئی ہین، غزالی اور کانٹ مین دو وجہ سے مماثلت ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ دونون کا محور بحث عقل انسانی کے حدود و قیود کی تعیین ہے، یا یون کہئے کہ عقلیت پرستی کے بڑھتے ہوے رجحانات کو کاٹ چھانٹ کر اعتدال پر رکھنا ہے، دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہ دونون ہستیان جس عہد مین پیدا ہوئین، وہ عقلیت پرستی کا زمانہ تھا، جس کے ماتحت لادینیت، مذہب سے عام بیزاری یا نفرت اور الحاد و زندقہ کے میلانات عام طور پر ابھر رہے تھے، اور فروغ پا رہے تھے، جرمنی مین اٹھارہوین صدی عیسوی لادینی اور شکست ایمان کا عہد سمجھا جاتا ہے، اور کانٹ کی بابت عام خیال ہے کہ وہ جرمن قوم کے لئے خدا کی بے پایان عنایات کا ایک برگزیدہ مظہر تھا، علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہین:-

"غزالی کے فلسفیانہ ارتیاب نے جو کسی قدر اپنی حدود سے متجاوز ہو گیا تھا، وہی کام کیا جو جرمنی مین کانٹ نے کیا ہے، یعنی اس فریب کارانہ سطحی عقلیت کی پشت توڑ دی، جو ٹھیک اس سمت مین حرکت کر رہی تھی، جدھر جرمنی مین کانٹ سے پہلے اس کا بہاؤ تھا"[2]

کانٹ اور غزالی مین فرق بھی ہے جس کی تشریح و تفصیل کا یہ موقع نہین، لیکن غزالی کی بابت

---

[1] Reconstruction of Religious Thought in Islam ص ۴

[2] ایضاً ص ۵

علامہ اقبال نے بہت صحیح لکھا ہے کہ ان کا مشن پیمبرانہ تھا، خود امام غزالی نے اپنے مشن اور کام کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے، یہ سب جانتے ہین کہ امام غزالی اپنے زمانہ مین ایک بڑے علمی وقار کے مالک تھے، دنیائے اسلام مین ان کی جلالت عظمت، اور زہد و تقوی کا ڈنکا بجتا تھا، ایک مدت تک وہ بغداد کی مشہور درس گاہ نظامیہ مین اعلیٰ مدرس رہ چکے تھے، تمام علمائے اسلام، شیوخ، اکابر اور امرائے دولت ان کا انتہائی احترام کرتے تھے، لیکن بچپن ہی سے ان کی فطرت حقیقت اور سچائی کی جویا تھی، جب سے انھون نے ہوش سنبھالا ایک طالب حق کی طرح اہم علمی فلسفیانہ اور مذہبی مسائل کی تحقیق مین وہ برابر غرق رہے، انھون نے اپنے مشہور رسالہ "المنقذ من الضلال" کی تمہیدی سطر مین لکھا ہے[1]:-

"مختلف امور کے حقائق دریافت کرنے کا شوق قدرت نے طفلی ہی سے میری فطرت مین ودیعت کر دیا تھا، اس لئے تقلید یا رسم پرستی کی تمام بندشین اس زمانہ مین ہی ڈھیلی پڑ چکی تھین، اور عہد طفلی کے تمام موروثی عقائد کو مین خود ہی خیر باد کہہ چکا تھا، میرا یہ شوق و ذوق کوئی اخباری چیز نہ تھی، یہ خالص فطری اور جبلی رجحان تھا جو میری فطرت پر چھایا ہوا تھا"

امام غزالی کی یہ علمی تشنگی یون تو آخر تک قائم رہی لیکن اس کی شدت کا زمانہ خود ان کے بیان کے مطابق اس وقت شروع ہوا، جب ان کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی، اور اس وقت تک قائم رہا، جب وہ پچاس سال سے بھی متجاوز ہو چکے تھے، ۴۸۸ھ کا درمیانی عہد ان کی قلبی بے چینی اور روحانی اضطراب کا زمانہ ہے، یہ وہ زمانہ ہے، جب انھین یقین ہو گیا تھا کہ جو کچھ انھون نے حاصل کیا ہے، وہ قلبی سکون اور طمانیت خاطر کے لئے کافی نہین، تقلید کے روابط ٹوٹ جانے کے بعد ایمان و ایقان کا عروۃ الوثقیٰ انھین دستیاب نہ ہو سکا تھا، بار بار وہ یہی محسوس فرماتے تھے، کہ ان کی دلی تاریکیان گھٹنے کی جگہ اور بڑھتی ہی جارہی ہین، وہ چاہتے تھے، کہ صحیح اور حقیقی علم کی تحصیل کے لئے اپنے تمام علمی مشاغل اور درس و تدریس کے انہماک کو ترک کر دین، کمال یکسوئی اور گوشہ تنہائی کے بغیر وہ درک حقیقت سے قاصر تھے، اور اس ذکر و فکر یا عبادت الٰہی کی ضرورت محسوس فرماتے تھے، جسے احادیث مین تحنث سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ پس و پیش کی سی حالت پورے چھ ماہ قائم رہی، اور آخر ماہ ذی قعدہ ۴۸۸ھ مین یہ حق و عرفان کا جویا جاہ و مال اور عیال و اطفال کو چھوڑ کر بغداد سے روانہ ہو گیا، یہ کہانی بہت دلچسپ ہے، اس لئے انھی کے الفاظ مین سنئے:-

"اس ماہ مین مین مجبور سا ہو گیا، اس لئے کہ ناگاہ میری زبان پر قفل سا لگ گیا، اور مین درس تک نہ دے سکا، مین کوشش کرتا تھا، کہ کم سے کم ایک روز تو اپنے طالبون کو خوش کرنے کے لئے کچھ درس دون، لیکن ایک لفظ بھی نہ بول سکتا تھا، اس کا اثر یہ ہوا کہ مین ملول رہنے لگا، اور میری قوت ہاضمہ جاتی رہی، نہ پانی پی سکتا تھا، اور نہ کوئی لقمہ ہضم ہوتا تھا، تمام قویٰ کمزور ہو گئے، اطباء نے کہا کہ یہ صدمہ کا اثر ہے، جو مزاج تک سرایت کر گیا ہے، اس لئے علاج کی کوئی صورت نہین، جب تک وہ صدمہ رفع نہ ہو، مین نے اپنی کمزوری محسوس کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی مین دعا کی، آخر خدا نے میری سُنی، اور میرے لئے جاہ و مال، عیال اور اطفال کا ترک آسان کر دیا، مین نے ظاہر یہ کیا، کہ مین مکہ جانا چاہتا ہون، اور دل مین شام کے سفر کا ارادہ مین پنہان رکھتا تھا، مین نے یہ اس لئے کیا کہ خلیفۂ زمان اور میرے احباب اس سے باخبر نہ ہون"

چنانچہ وہ شام تشریف لے گئے، اور مسلسل گیارہ سال تک ذکر و فکر اور مجاہدہ و ریاضت فرماتے رہے،

"پھر مین شام گیا اور دو سال وہان مقیم رہا، میرا مشغلہ یکسوئی، تنہائی، خلوت، ریاضت اور مجاہدون کے سوا اور کچھ نہ تھا، خدا کے ذکر سے مین نفس کے تزکیۂ اخلاق کی تہذیب اور قلب کی صفائی مین لگا رہتا تھا، جیسا کہ مین نے صوفیائے کرام کی کتابون سے سیکھا تھا اور پڑھا تھا، کبھی مسجد دمشق مین اعتکاف کرتا تھا، تمام دن کے لئے مین مسجد کے منارے پر چڑھ جاتا تھا، اور اس کا دروازہ بند کر لیتا تھا، پھر مین بیت المقدس روانہ ہو گیا، میرا معمول تھا کہ مین روزانہ حجرہ مین داخل ہو جاتا، اور اندر سے دروازہ بند کر لیتا بعد ازان کشان کشان حرمین پہنچا، اور خلیل اللہ سے فیض حاصل کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، اس کے بعد وطن کی الفت نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا، یہان بھی عملی طور پر مین خلوت نشین ہی رہا، اور دنیاوی افکار و علائق کے باوجود تنہا یون مین اپنے قلب و نفس کی پاکی مین لگا رہتا، یون ہی کامل دس سال بیت گئے، اس درمیان مین

[1] المنقذ من الضلال مطبوعہ مصر ص ۳-

بہت سے امور مجھ پر منکشف ہوئے، جن کا حصر و اندازہ نہیں کیا جا سکتا،" (المنقذ ص ۲۹ و ۳۰)

امام غزالی کے نظریے دراصل نتیجے ہیں ان کے لگاتار ذکر و فکر اور نظر و خبر کے جن کی بابت خود ان کا بیان ہے کہ وہ بے پایان ہیں، اور ان کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، پورے گیارہ سال کی خلوت نشینی اور مجاہدہ کے بعد جب ان امور کی نشر و اشاعت کا انھون نے فیصلہ فرمایا، تو اوّل اپنی جماعت کے اکابر یعنی اربابِ کشف و عیان سے انھون نے مشورے کئے، رات کی تنہائیون مین اولیاء اور صلحاء کی ارواح سے رہنمائی کی خواہش کی، تب کہین ان کے باطن مین القاء ہوا، کہ وہ چھٹی صدی ہجری کے آغاز مین دین متین کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے ہین، اور یہ ان کا اخلاقی اور مذہبی فرض ہے، کہ وہ اسلام کے چشمے کو تمام بیرونی خس و خاشاک کی کثافتون سے جس سے وہ اٹا پڑا ہے، پاک و صاف فرمائین،

وَقد وعدَ اللہ سبحانہ باحیاء دینہ علی رأس کل مائۃ فاستحکم الرجاء وغلب حسن الظن بسبب ھذہ الشہادات ویسّر اللہ تعالیٰ الحرکۃ الی نیسابور للقیام بھذا المھم فی ذی القعدۃ سنۃ تسع وتسعین واربعمائۃ وکان الخروج من بغداد فی ذی القعدۃ سنۃ ثمان وثمانین واربعمائۃ وبلغت مدۃ العزلۃ احدی عشرۃ سنۃ (ایضاً ص ۴۴)

خدا نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہر صدی کے آغاز مین اپنے دین کا احیار فرمائے گا، اس لئے میری آرزو مین اور استحکام آگیا، اور ان شہادتون کی وجہ سے میرا حسنِ ظن اور پختہ ہوگیا، چنانچہ ذی قعدہ ۴۹۹ھ مین خدا کی توفیق و اعانت سے اس خدمت کی انجام دہی کے لئے مین نیشاپور روانہ ہوگیا، بغداد سے میری روانگی بھی ۴۸۸ھ کے ذی قعدہ ہی مین ہوئی تھی، اس اعتبار سے پورے گیارہ سال مین نے خلوت مین گذارے،

ان سطرون مین صاف اور واضح الفاظ مین اعلان کیا گیا ہے، کہ علم و عرفان کی تحصیل کے بعد امام غزالی نشر و تبلیغ کی خدمت پر خدا کی طرف سے اور اس کے اِمداد اور توفیق کے ماتحت مامور ہوئے، اس لئے اگر ان کی اس خدمت کو پیرانہ مشن (Prophetic mission) کہا جائے، تو کسی طرح بھی بیجا نہ ہوگا،

حقیقتِ علم امام غزالی نے سب سے پہلے علم کی حقیقت پر غور فرمایا، اور یہ اس لئے کہ ہر طالبِ حق اور جویائے حقیقت کے لئے ضروری ہے، کہ اوّلاً علم و عرفان کی اصلیت اور اس کی ماہیت دریافت کرے، علم نام ہے جاننے اور دریافت کرنے کا، اور ظاہر ہے کہ جاننا ایک طرح کا انکشاف ہے، جس کے بے شمار مراتب یا درجات ہین، رات کی تاریکی مین ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ روشن کر دینے سے بھی آس پاس کی چیزین منور ہو جاتی ہین، لیکن چیزون کا یہ تنور یا انکشاف کسی قدر دھندلا ہے، اور اس کے مقابلہ مین بہت ہی ہیچ اور بے قدر ہے، جب ایک نہایت قوی برقی لیمپ روشن کر دیا جائے، دن کی خیرہ کر دینے والی روشنی مین یہ دونون انکشاف کوئی حیثیت نہین رکھتے، دن مین چیزون کے چھوٹے سے چھوٹے اور حقیر سے حقیر گوشے اور زاویے بھی آئینہ کی طرح چمک اٹھتے ہین، علمی یا ذہنی انکشاف کی نوعیت اور اس کے بے شمار درجات کا تفاوت بھی کچھ اسی طرح کا ہے، اعلیٰ اور برتر انکشاف امام غزالی کے نزدیک علم یا علم یقینی ہے، اس اعلیٰ انکشاف کی بابت امام صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ انکشاف ہے جس مین شک و شبہہ کا شائبہ تک نہ ہو، اور غلطی یا وہم کا بھی کوئی امکان باقی نہ رہے[1] یہ ایک خالص ذہنی کیفیت ہے، جس کا اندازہ الفاظ یا عبارت سے نہین کیا جا سکتا، اور اس کی کوئی قطعی یا فیصلہ کن تحدید و تعیین بھی نہین ہو سکتی، تاہم امام صاحب نے اس نامعلوم کیفیت کو واضح کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ اگرچہ ذہنی یا قلبی طور پر ذرا دشوار ہے کہ اس کیفیت کے حدود متعین کر دیئے جائین لیکن اس اعلیٰ انکشاف کی ایک علامت ہے، اور وہ یہ کہ اس انکشاف کے ہوتے ہوئے کوئی سحر افسون بلکہ اعجاز بھی علم کی اس استوارانہ حالت کو صدمہ نہین پہنچا سکتا، مثلاً اگر مین جانتا ہون اور پوری طرح مجھے یقین بھی ہے، کہ نو تین سے زیادہ اور اس سہ گنا ہے، اور کوئی یہ کہے کہ نہین یہ غلط ہے، بلکہ تین نو سے زیادہ ہے، اور اس کا ثبوت یہ ہے، کہ مین اس عصا کو سانپ کی شکل مین تبدیل کر سکتا ہون، اور وہ تبدیل کر بھی دے اور مین اپنی آنکھ سے دیکھ بھی لون، تب بھی اپنے علم و عرفان مین مجھے کوئی شک نہ ہوگا، اور اس حیرت انگیز کارنامے پر انتہائی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بھی مین یہی کہون گا، کہ میرا علم صحیح ہے، جو علم اس طرح کا نہ ہو اور جس مین یقین و استواری اس درجے تک نہ پائی جائے، وہ قطعی ناقابلِ اعتبار ہے،

دراصل علم کی حقیقت دو صفات سے مرکب ہے، ایک صفت کا تعلق عالم کی ذات سے ہے، اور دوسری کا معلوم سے، علم ایک باطنی انکشاف اور قلبی تنور ہے، جو عالم کے باطن سے پیدا ہوتا ہے، اور اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب معلوم براہ راست مدرکہ قوتون پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے، کہ

[1] المنقذ صفحہ ۴،

عالم کے باطن میں وہ تمام صلاحیتیں ہوں جو اسے معلوم کے زیر اثر لا سکیں، اور ان میں انفعالی لہریں بھی پیدا کر سکیں، امام غزالی نے مذکورہ بالا مثال سے یہ بات بھی واضح کرنی چاہی ہے، کہ اگر کسی امر کا خواہ وہ اپنی جگہ کیسا ہی حیرت انگیز اور تعجب خیز کیوں نہ ہو کسی معلوم سے کوئی نسبت یا تعلق نہ ہو تو وہ اس معلوم کی حقیقت پر کوئی اثر نہیں کرتا، میں جانتا ہوں کہ تین دس سے کم ہے، یہ ایک حقیقت ہے، اور ایسی ہی حقیقت ہے جیسے عصا کو سانپ کی شکل وصورت میں تبدیل کرنا، لیکن یہ دونوں حقیقتیں جدا جدا اور ایک دوسرے سے قطعی بے تعلق ہیں، اس لئے ایک کے ماننے یا نہ ماننے سے دوسرے کی قطعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، دوسرے علم عالم کے باطن یا اس کے اندرون سے رونما ہوتا ہے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، اس لئے جب تک کوئی حقیقت پوری طرح سمجھی نہ جا سکے، وہ علم وعرفان کے درجے پر فائز نہیں ہوتی، امام صاحب فرماتے ہیں :-

فان کان للنبی خاصیۃ لیس لک منہا انموذج فلا تفہمہا اصلاً فکیف تصدق بہا وانما التصدیق بعد التفہم، (ایضاً صفحہ ۳۲)	اگر نبی میں کوئی خاصیت ایسی بھی ہے، جو ایک عام انسان میں نہیں پائی جاتی تو تم کبھی اس کو نہیں سمجھ سکتے، اس لئے اس کی تصدیق بھی نہیں کر سکتے، ایک چیز کی تصدیق اس کے فہم وادراک کے بعد ہی ہوتی ہے،

امام صاحب کے الفاظ انما التصدیق بعد التفہم ان کے نظریۂ علم کی حقیقت تک پہونچنے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں، عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ایمان جو دراصل تصدیق کا شرعی یا مذہبی نام ہے ایسی اشیاء، امور اور قضایا سے بھی متعلق ہو سکتا ہے، جو کسی طرح بھی سمجھے نہ جا سکیں، امام غزالی کے اصول پر یہ صحیح نہیں ہے یہ ایک طرح کی خود فریبی اور بھولاپن ہے، ایمان نام ہے تصدیق کا، اور تصدیق تفہم کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اس لئے فطری طور پر ایمان بھی تفہم کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے، تصدیق نبوت کے باب میں بھی امام غزالی کا خیال ہے کہ وہ بے واسطہ اور براہ راست نبی کی تعلیمات، اس کی ہدایات اور اس کے اقوال و اعمال میں نظر و فکر کرنے اور الگ الگ اس کے اصول کو عقل وادراک کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد حاصل کی جائے، اس سلسلہ میں امام صاحب نے معجزات اور خوارق پر بھی بحث کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب تک ان کے ساتھ دوسرے بے شمار قرینے بھی نہ ملائے جائیں، یہ معجزے تنہا ایمان وایقان پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے،

فمن ذالک الطریق فاطلب الیقین بالنبوۃ لا من قلب العصا ثعبانا و شق القمر الخ،	اس راہ سے نبوت کا علم اور اس کا یقین حاصل کرو نہ کہ عصا کے اژدہے کی صورت میں تبدیل ہو جانے اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے سے،

سرچشمۂ علم

عام طور پر علم کے سرچشمے دو ہیں، ایک حسؔ دوسرے عقلؔ، ان میں سے اول الذکر قدیم ترین اور اول ترین سرچشمۂ علم ہے، قدیم ترین اس لئے کہ شاید انسان اول بھی جب وہ پوری طرح تہذیب اور تمدن کی برکتوں سے فیضیاب نہ ہوا تھا حس کو علم حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتا تھا، اور اب بھی جو قومیں ذہنی ارتقاء سے محروم ہیں جس کے علاوہ کسی اور قوت کو سرچشمۂ علم قرار نہیں دیتیں، یہ قومیں تاریخی ارتقاء کی درمیانی کڑیاں ہیں، قدیم ہندی فلاسفہ میں سے چارواک پرتکیش پرمان[۵] (sense perception) ہی کو علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ خیال کرتے تھے، اول ترین اس لئے کہ چھوٹا بچہ سب سے پہلے حواس ہی کو کام میں لاتا ہے، اور محسوسات ہی تک اس کے ناقص علم کی رسائی ہوتی ہے، اس کے بعد جب اس کی ذہنی قوتیں پوری طرح نشو ونما پا چکتی ہیں، تب کہیں وہ عقل سے جو حس کے مقابلے میں کسی قدر لطیف مدرک ہے، آشنا ہوتا ہے، حواس پانچ ہیں، اور وہ سب ایک حیثیت کے نہیں، ان میں بھی تقدم و تاخر کے اعتبار سے درجات کا تفاوت ہے، جدید حیاتیات (Biology) نے بھی ان کے اس تفاوت کو مانا ہے، امام غزالی اس تفاوت سے باخبر تھے، انھوں نے لکھا ہے :-

"انسان سب سے پہلے حاسۂ لمس سے مستفیض ہوتا ہے جس سے وہ حرارت، برودت، لین اور خشونت وغیرہ کا ادراک کرتا ہے، اس کے بعد اس کو قوت بصر یعنی بینائی بخشی جاتی ہے، جس سے وہ رنگوں اور شکلوں کی معرفت حاصل کرتا ہے، یہ عالم محسوسات میں سب سے زیادہ عام اور وسیع حاسّہ ہے، اس کے بعد سمع اور ذوق کا درجہ ہے، اور سب سے آخر میں شامہ یعنی سونگھنے والی قوت ہے،[۶]

جہاں تک انسان کا تعلق ہے، یہ تمام قوتیں اور حواس بیک وقت اُسے عطا کر دیئے جاتے ہیں، اگرچہ قوت وضعف کے اعتبار سے بہر حال اس میں تفاوت رہتا ہے، یعنی ان قوتوں کا ارتقاء ایک

---

[۵] چارواکو ہی سنکشم ایکم نیا یہ کسما نجلی ص ۱۰۹، ہندی فلسفہ کے نظام ششگانہ میکس مولر ص ۹۵ [۶] المنقذ ص ۳۲

ہی ساتھ اور یکسان طور پر نہیں ہوتا، بلکہ آخرالذکر دو قوتین یعنی ذائقہ اور شامہ خصوصیت کے ساتھ بالکل آخر مین اور وہ بھی بہت زمانہ کے بعد کہین ارتقا پزیر ہوتی ہین، امام صاحب کا خیال ہے کہ انسان کا بچہ سات سال کی عمر مین ان تمام قوتون کو تمام وکمال حاصل کرلیتا ہے، یہ ارتقار کی اوّلین منزل ہے، جسے منزلِ محسوسات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کے بعد دوسری منزل کا آغاز ہوتا ہے، جو گویا انسانی راہ حیات کا ایک نیا موڑ ہے، قرآن شریف نے بھی اس موڑ کی طرف ذیل کے الفاظ مین اشارہ فرمایا ہے:۔

ثمّ انشأناہ خلقاً آخر فتبارک	پھر ہم نے انسان کو نئی خلقت عطا فرمائی،
اللہ احسن الخالقین،	وہ خدا بابرکت ہے، جو تمام صناعون
(مومنون - ۱)	سے بڑھکر ہے

یہ خلقتِ جدید یا خلقِ آخر وہ منزل تو نہین، جس کا ذکر کیا جارہا ہے، لیکن اس منزل کا سبب یا اس کا باعثِ اصلی ضرور ہے، امام صاحب نے اس منزل کو تمیز کے نام سے پکارا ہے، اور اس کی بابت یہ فرمایا ہے:

وھو طور آخر من اطوار وجودہ	انسان کے درجاتِ ہستی میں سے یہ ایک
یدرک فیہ اموراً زائدۃً	جدید اور بالاتر درجہ ہے، جس مین وہ
عن عالم المحسوسات لا یوجد	عالم محسوسات سے الگ کچھ اور امور
منھا شئ فی عالم الحس،	کا ادراک کرتا ہے، جو حسی دنیا مین
(ایضاً صفحہ ۳۲)	نہین پائے جاتے،

اس منزل کا آغاز اس وقت ہوتا ہے، جب بچے کی عمر سات سال کے لگ بھگ ہوتی ہے، اس کے بعد وہ عقل وخرد کی منزل مین قدم رکھتا ہے، جو عام اور مشہور ارتقائی منازل مین آخری اور اختتامی منزل ہے، امام صاحب کا بیان ہے، کہ اس منزل مین انسان واجبات، جائزات، محرمات اور مستحیلات وغیرہ کا بخوبی ادراک کرلیتا ہے، اور اس قابل بھی ہوجاتا ہے کہ وہ نیک و بد کے درمیان تمیز کرسکے،

کیفیت علم

احساس وادراک کی کیفیت ایک جیسی نہین، بلکہ وہ بہت کچھ مختلف ہے، احساس مین ایک طرح کی بساطت پائی جاتی ہے، وہ انفرادی اور وجدانی ادراک ہے، آپ اگر کسی چیز کو دیکھتے ہین، تو اس کی ایک تصویر اس کے مخصوص رنگ اور حدود وقیود کے ساتھ آپ کے ذہن (Sensation) مین

مرتسم ہوجاتی ہے، ذہن جسے انگریزی مین (Mind) اور سنسکرت مین "من" کہتے ہین، حواس کے لئے مرکز کی سی حیثیت رکھتا ہے، جہان تقریباً حواس کے تمام مدرکات جمع رہتے ہین، قدیم حکمائے یونان ذہن کے اسی حصہ کو حسِ مشترک کے نام سے موسوم کرتے تھے، عقلی ادراک کی نوعیت کسی قدر ترکیبی ہے، اور چونکہ ترکیب بساطت کے بعد ہے، اور اس کا دارومدار ان مفردات پر ہے جن سے ترکیب حاصل ہوئی ہے، اس لئے عقلی ادراک بھی موقوف ہے حواس اور اس کے مدرکات پر، وہ ایک نوع کی چھان بین، جانچ پرتال اور تالیف وترکیب ہے، جس کے ذریعہ وہ مدرکاتِ حواس کے الگ الگ حصے کرتا، ان کی بہت سی ڈھیریان بناکر ان کے متعلق کچھ قطعی احکام یا فیصلے بھی صادر کرتا ہے،

یہین سے امام غزالی کے فلسفیانہ ارتیاب کی بنیادین پڑتی ہین، ان کا خیال ہے کہ چونکہ حواس کے تقاضے کہین کہین عقل وادراک سے غلط ثابت ہوجاتے ہین اور ان کے فیصلے بارگاہ دانش سے مسترد کردیئے جاتے ہین، اس لئے حواس اور ان کے مدرکات پر پورا پورا اعتماد نہین کیا جاسکتا، حاسۂ بصر (قوتِ بینائی) تمام حواس مین قوی تر شمار کیا جاتا ہے، اس کا یہ حال ہے کہ جب کبھی ہم ظل یا سایہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہین، تو وہ ہمین ساکن، غیر متحرک یا ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے، اور اگر اوّلین مشاہدہ پر ہی فیصلہ دیدیا جائے، تو یقیناً عقل بھی اُسے ساکن یا غیر متحرک ہی بتائے، لیکن بار بار دیکھنے اور تجربہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے، کہ سایہ بھی آہستہ آہستہ حرکت کر رہا ہے، یا وہ ٹھہرا ہوا نہین ہے، آسمان پر کواکب اور سیارے بہت ہی صغیر وحقیر اور چھوٹے اور بے مقدار نظر آتے ہین، لیکن عقلِ انسانی ہندسی دلائل سے بصر کے اس فیصلے کو بھی غلط ثابت کردیتی ہے، اور اس مین کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہین چھوڑتی، کہ بظاہر بے مقدار ناچیز اور چھوٹے چھوٹے سیارے درحقیقت زمین سے کہین بڑے اور اس سے کئی گنا زائد عظمت وحیثیت کے مالک ہین،

عقلی ادراکات دو طرح کے ہین، اوّلیات، اور نظریات، نظریات کے غیر یقینی ہونے مین تو کوئی شبہہ نہین، البتہ اوّلیات کی بابت اہلِ خرد کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ یقینی ہین، اور ان مین کسی طرح بھی شک نہین کیا جاسکتا، اوّلیات وہ واضح ہین، اور مسلّم عقلی فیصلے ہین، جو بار بار تجربہ کئے جانے اور مشاہدے مین آنے کے باعث کسی جدید ثبوت کے محتاج نہین، یا جنھین عام طور پر جملہ ذی ہوش انسان بے چون وچرا مان لیتے ہین، اقلیدس کے تمام امور متعارفہ (Axioms) اسی قسم کے ہین، دس تین سے زائد ہے، اجتماعِ ضدین محال ہے، ایک چیز بیک وقت موجود ومعدوم نہین ہوسکتی، یہ اور اسی طرح کے تمام جلی اور

ہیں قضایا اولیات میں شمار کئے جاتے ہیں،

جس طرح حس کے فیصلے عقل و ادراک سے غلط ثابت ہو جاتے ہیں، اسی طرح امکان ہے کہ عقل کے اولین قضایا بھی آیندہ غلط یا نادرست ثابت ہو جائیں، آخر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ عقل سے بالاتر دوسرا کوئی مدرک یا سرچشمۂ علم و عرفان نہیں؟ جب تک اس کا امکان ہے کم سے کم اس وقت تک عقلی فیصلے بھی ہرچند کہ وہ اولی اور جلی ہیں، قطعی یا یقینی نہیں کہے جا سکتے، یہ ہے امام غزالی کے فلسفیانہ ارتیاب کا خلاصہ جس نے انھیں ذوق یا وجدان کی راہیں دکھائیں، اور اسلامی دنیا میں حکمت و تصوف کے ڈانڈے ملائے،

ذوق یا وجدان

امام غزالی کا بیان ہے کہ وہ پورے دو ماہ تک فلسفیانہ ارتیاب میں مبتلا رہے، جسے انھوں نے سفسطہ کے نام سے یاد کیا ہے، اس عرصہ میں ان کے عقائد کی عمارتیں سب ڈھیر ہو گئیں، اور اگر توفیق ایزدی ان کی دستگیری نہ فرماتی تو شاید وہ کبھی سفسطہ کے دلدل سے باہر نہ آتے، نظم کلام یا ترتیب مقدمات سے ان کا یہ ارتیاب رفع نہ ہوا، بلکہ وہ محض نور الٰہی اور کشف و وحی تھا، جس نے درمیان سے تمام پردے اٹھا کر انھیں اصل حقیقت کا جلوہ دکھایا،

ذوق (Intuition) دراصل مدارک علمیہ میں سے ایک مدرک ہے اور اسی طرح ایک مدرک ہے، جیسے حس و عقل، لیکن اس کی تحصیل و تربیت کے لئے کسی قدر غیر معمولی جد و جہد اور طلب و جستجو کی حاجت ہے، اس قوت مدرکہ کے وجود سے یوں تو قدیم ہند و یونان کے حکما اور ارباب عرفان بھی بیخبر نہ تھے، چنانچہ پروفیسر میکس مولر نے لکھا ہے کہ ویدانت سوتر کی بعض شروح و حواشی میں ایک جدید سرچشمۂ علم (Second source of Knowledge) کا ذکر "ساکشاتکار" کے نام سے کیا گیا ہے،[۱] اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس کا متعلق یا موضوع براہمن یعنی خدا کی ذات اور اس کی صفات ہیں، ایک مشہور جینی عالم نے لکھا ہے:-

"پرم ارتھک پرتیکش (ذوق و وجدان) وہ واضح علم ہے، جسے آتما (روح) براہ راست اور بے واسطہ حاصل کرتی ہے، یہ علم کسی دوسری قسم کے علم یا حواس و ذہن کی وساطت سے حاصل نہیں ہوتا، یہ خالصاً وجدانی یا ذوقی ہے، جو روحانی نور سے پیدا ہوتا ہے اور حصول کمال کا سبب یا ذریعہ ہے،"[۲]

لیکن اس علم کی حقیقت یا ماہیت پر علمی بحثیں امام غزالی ہی نے کیں اور نظر و استدلال کی اعانت

[۱] ملاحظہ فرمائیے ہندی فلسفہ کے نظام ششگانہ ص ۱۸۳، [۲] نیائے کسما نجلی پروفیسر ہیرالال کپاڈیا صفحہ ۱۱۳

سے اس کو ایک جدید سرچشمۂ علم ان سے پہلے غالباً کسی نے ثابت نہیں کیا، یہ تو ایک حقیقت ہے، کہ یہ علم دلیل و برہان کا محتاج نہیں یعنی اس کے لئے مقدمات ترتیب دے کر نتیجہ نکالنے یا منطقیانہ تحلیل و تجزیہ کی ضرورت واقع نہیں ہوتی، وہ ایک طرح کا نوری یا فجائی ادراک ہے، قدیم حکماے یونان نے قیاس و استدلال کی دو صورتیں بتائی ہیں، ایک فکر دوسرے حدس، یہ دونوں صورتیں استدلالی ہیں، اس لئے کہ ان میں مقدمات سے نتیجے اخذ کئے جاتے ہیں، اگرچہ فکر کسی قدر باقاعدہ استدلال ہے، اس میں مقررہ قاعدوں اور ضابطوں کے مطابق مقدمات ترتیب دینا پڑتے ہیں، اور حدس ہرچند مبنی ہے مقدمات پر لیکن مقدمات کی باقاعدہ ترتیب کی اس میں حاجت نہیں، اور اسی لئے نتیجہ تک پہنچنے میں کچھ وقت صرف نہیں ہوتا، بلکہ بجلی کی چمک کے ساتھ مقدمات سے نتیجہ تک رسائی ہو جاتی ہے، ذوق یا وجدان اس باب میں استدلال سے بہت مختلف ہے، اس میں سرے سے مقدمات ہی کی ضرورت نہیں، وہ ایک قسم کا کشف روحی اور شرح صدر ہے، جو کبھی کبھی فیض الٰہی سے اس طرح پھوٹ کر نکلتا ہے، جس طرح آفتاب سے نور یا برق سے درخشانی، امام صاحب نے لکھا ہے، کہ حضرت اکرم ﷺ سے جب شرح صدر کے معنی دریافت کئے گئے، تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے، جو عارف کے قلب میں القا کر دیا جاتا ہے، اس نور کی بابت امام صاحب فرماتے ہیں:-

ذالک النور ینبجس من الجود
الالٰھی فی بعض الاحایین
ویجب الترصد له

یہ نور گاہے ماہے فیض الٰہی سے پھوٹ
پڑتا ہے، اس لئے اس کی طلب و جستجو
ضروری ہے،

دراصل وجدان ایک طرح کا احساس (Feeling) ہے، جس میں ادراک یا علم کے بعض ضروری اجزا بھی ملے جلے پائے جاتے ہیں، صوفیائے کرام نے اس نوع کے احساس کو حال سے تعبیر کیا ہے، امام غزالی نے حال اور علم کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے، کہ بہت سے علوم اور حقائق ایسے ہیں جنھیں تعلیم سے حاصل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ وہ صرف ذوق، حال اور تبدل صفات ہی سے دریافت کئے جاتے ہیں، مثلاً صحت اور سیری کی حقیقت کو جاننا، اور ان کے اسباب اور شرطوں کو سمجھنا اور خود سیر اور تندرست ہونا ان دونوں میں بہت فرق ہے، اسی طرح بدمستی اور سرور کی ماہیت کا ادراک اور بدمست ہونا، یہ دونوں بہت کچھ مختلف ہیں، جسے عام طور پر علم کہا جاتا ہے، وہ دراصل علم ہی نہیں، وہ ایک طرح کا معلوم سے بعید ترین

تعلق یا نسبت (Contact) ہے۔ صحیح علم وہی ہے جس مین عالم و معلوم کے درمیان سے دوئی کے تمام پردے اٹھ جائین، اور ظاہر ہے کہ متعارف اور مشہور علم مین اتنی یکانگت اور اس درجہ اتحاد کبھی حاصل نہین ہوتا خنکی کا تصور یا اس کا احساس بھی ہر چند انسان کے جسم مین پھریری پیدا کر دینے کا باعث ہوجاتا ہے لیکن اس کی اصل حقیقت سے آگاہی جب ہی ہوتی ہے، کہ اس کی تمام کیفیات انسان کے باطن مین رونما ہوجائین جذبات، احوال اور کیفیات کی بابت مشہور انشا پردازون نے بھی یہی کہا ہے، کہ جب تک ان کو اپنے اوپر طاری نہ کر لیا جائے، انسان ان سے بے خبر رہتا ہے، حقیقی شاعر کے ادراک وحصول کی نوعیت بھی ذوقی یا وجدانی ہی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے، کہ جب تک شاعر کی نفسی کیفیات یا کم سے کم ان کی جھلکیان کسی تنقید نگار کو حاصل نہ ہون، تنقید کا حق ادا نہین ہوتا، شاید مولانا روم نے اسی تعلق سے شاعری کی بابت فرمایا ہے:۔

شاعری جزویست از پیغمبری

امام غزالی نے معلومات اور درجات علم کے باہمی تفاوت کی بنا پر علم و ایمان کے بھی تین مراتب قرار دیے ہین، اول علم جو برہان، استدلال یا قیاس سے حاصل ہوتا ہے، دوم ذوق و وجدان جو علمی حالات و کیفیات طاری کر لینے کا نام ہے، سوم ایمان جس کی بابت امام صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ حسن ظن، تسامع اور تجربہ کی بنا پر کچھ امور مان لینے اور انھین درست تسلیم کر لینے کا حاصل یا نتیجہ ہے، اس کے بعد امام صاحب نے لکھا ہے:۔

یرفع اللہ الذین آمنوا	خدائے تعالیٰ ایمان لانے والون کو اور
منکم والذین اوتوا العلم	ان کو جو اہل علم ہین درجہ بدرجہ بلند
درجات، (مجادلہ-۲)	فرماتا ہے،

ہندوستان مین علوم حدیث کی تالیفات

از

جناب مولوی ابو یحیی امام خان صاحب نوشہروی

جناب ڈاکٹر زبید احمد صاحب لکچرار الٰہ آباد یونیورسٹی نے علوم حدیث پر ہندوستان کی عربی تالیفات کے عنوان سے دسمبر ۱۹۴۲ء مین ایک مضمون لکھا تھا، یہ مضمون ایک حیثیت سے گویا اس کا تکملہ ہے، موصوف کا مضمون ۱۸۵۰ء تک کی صرف عربی تصنیفات تک محدود تھا، راقم نے اس مین فارسی اور اردو کو بھی شامل کر لیا ہے، لیکن سنہ کی تحدید قائم رکھی،

اس مضمون مین ۱۴۱ مولفات اور ۱۴۰ مولفین کا ذکر ہے، جو باعتبار فن ۲۲ اقسام پر مشتمل ہین، (۱) اصول حدیث پر ۷ (۲) اسناد حدیث پر ۱۱ (۳) تخریجات پر ۴ (۴) رجال پر ۳ (۵) غریب الفاظ پر ۲ (۶) شروح بخاری ۱۰ (۷) شروح مسلم ۵ (۸) شرح ابی داود ۱ (۹) شرح نسائی ۱ (۱۰) شروح ترمذی ۷ (۱۱) شروح ابن ماجہ ۲ (۱۲) شروح مسند احمد ۱ (۱۳) شروح موطا مالک ۲ (۱۴) شروح مشکوٰۃ ۹ (۱۵) شرح بلوغ المرام ۱ (۱۶) کتب متفرق ۲ (۱۷) سیرۃ ۱۲ (۱۸) سیر و مناقب ۱۰ (۱۹) مدونات ۱۲، (۲۰) موضوعات ۲ (۲۱) اربعینیات و شروح ۱۲ (۲۲) اوراد و وظائف ۳،

مولفین مین ۳ حضرات کے سال وفات نہ معلوم ہو سکے (۱) شیخ الاسلام رامپوری (۲) فخر الدین رامپوری (۳) احمد یار جرانے والے، اور ۴ کتابون کے مولفین کے نام معلوم نہ ہو سکے، نمبر ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶ و مین سے ایک تو یقینی طور پر مولینا ولایت علی صادق پوری (۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء) کی تالیف ہے، اور بقیہ ۲ کتابون کے مولفین کا اس وقت علم نہ ہو سکا، یہ ہر سہ کتب و رسائل تسعہ مین ہین، جو مطبوع ہے،

قسم اول اصول حدیث مین ۷ کتابین

منہج در اصول حدیث: مخدوم نظام الدین بن امیر سیف الدین معروف بہ شیخ بھکاری کاکوروی (م ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء) سال ولادت ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء ..... جامع علوم ظاہر و باطن در علوم ظاہرہ

یہ مولانا ضیاء الدین محدث (م سنہ) و قاضی عبد اللطیف برانی (م سنہ) نسبت تلمذ داشتہ و در اوائل کتب درسیہ

متداولہ از والد خود تحصیل کردہ و در اکتساب علم باطن مرید سید ابراہیم ایرجی ست، و کبیرہ سید عبد الرزاق بن

غوث الثقلین عبد القادر جیلانی بود" (علماے ہند ۲۳)

مشاہیر کاکوری (ص ۵۵۴) میں آپ کی تصانیف کا ذکر ان الفاظ میں ہے:-

"شرح متعلق بہ اصول حدیث، معارف متعلق بہ تصوف، ترجمہ و شرح کتاب لمعات بزبان فارسی حسب ارشاد

سید ابراہیم بغدادی، تحفہ نظامیہ تین سوالوں کے جواب میں"

(۲) **شرح نخبۃ الفکر فی اصول الحدیث**: از مولانا وجیہ الدین گجراتی (م ۲۹ رجب ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء)

محرم ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء میں متولد ہوئے، جائے ولادت چاپانیر ہے..... فنون درسیہ ملا عماد الدین طارمی (م سنہ)

سے حاصل کئے، تصانیف یہ ہیں، حاشیہ بیضاوی شرح نخبہ فی اصول الحدیث، حاشیۃ العضدی، حاشیۃ التلویح،

حاشیۃ البزدوی، حاشیۃ ہدایۃ الفقہ، حاشیہ شرح الوقایہ، حاشیۃ المطول، حاشیۃ المختصر، حاشیۃ شرح التجرید،

حاشیہ شرح الجامی، حاشیہ ارشاد النحو، شرح ابیات المنہل، ان کے سوا اور بھی بہت سے حواشی ہیں، (منتہی

الادب من ذکر علماء النحو والادب مولفہ مولوی ذو الفقار احمد بھوپالی ص ۱۹۷)

(۳) **شرح نخبۃ الفکر**: مولانا عماد الدین محمد عارف معروف بہ عبد النبی شطاری اکبر آبادی (م سنہ)

"نامش عماد الدین محمد عارف عثمانی صوفی شطاری نسباً و خرقۃً و الحنفی مذہباً بہ پیروی

شرع و مرید شیخ عبد اللہ صوفی شطاری اکبر آبادی از علماے عظام و صوفیاے کرام

بود تصانیف رائقہ از و یادگار اند" تعداد تصانیف ۴۶ (تذکرہ علماے ہند ۱۳۴)

ان میں سے حدیث کی کتابوں کا تذکرہ آیندہ آئے گا،

ذریعۃ النجاۃ شرح المشکوٰۃ (عدد ۴۶) شرح حدیث خیر الاسماء عبد اللہ و عبد الرحمان (عدد ۴۴)

شرح حدیث کنت کنزاً مخفیاً عدد (۵) شرح حدیث الصلوٰۃ معراج المومن (عدد ۴۳) لوامع

الانوار فی مناقب السادات الاطہار (عدد ۱۰۸) لوامع...... پر سال فراغ ۸ ذی الحجہ ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء ثبت ہے،

لیکن سال وفات معلوم نہ ہو سکا، (ملخص از علماے ہند ۱۳۵)

(۴) **مقدمہ فی بیان بعض مصطلحات علم الحدیث** (عربی) شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء)

مختصر تعریفات اقسام حدیث پر مشتمل اور مشکوٰۃ مطبوعہ ہندوستان کے شروع میں منضم ہے، آپ کی ۷ تالیفات کا

تذکرہ اس مضمون میں ہے (نمبر ۴، ۲۵، ۲۶، ۵۵، ۹۶، ۹۷)

(۵) **مایجب حفظہ للناظر**:- از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) من جملہ ان ۶

تالیفات (حدیث) کے جن میں سے ۵ کا ذکر آگے آئے گا، الارشاد الی مہمات الاسناد (عدد ۱۲) الانتباہ فی

اسناد حدیث رسول اللہ (عدد ۱۳) فضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عدد ۱۴) المصفی فی شرح

الموطا (عدد ۶۱) تاویل الاحادیث (عدد ۶۸)

(۶) **اصول حدیث**

(۷) **القول الصحیح فی مراتب التعدیل والتجریح** } علامہ محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م رمضان ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء)

(۸) **بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب**

نام عبد الرزاق لقب محی الدین کنیت ابو الفیض، (مولد بلگرام) حجاز و مصر و زبید وغیرہ ممالک اسلامیہ

میں علم کی تحصیل کی، اور زبید میں طرح اقامت ڈال دی، آپ کے فیض یافتگان میں منجملہ اور اکابر کے سلطان

عبد الحمید خان اور صدر الوزارت محمد پاشا بھی ہیں، تصانیف کی تعداد تقریباً ۶۲ ہے (ملخص از علماے ہند ص ۲۲۳)

آپ کی پینتیس تالیفات کا ذکر مضمون ہذا میں ہے،

(۹) **عجالۂ نافعہ** (فارسی) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء)

"در بیان بعض کتب حدیث و اسناد خود و بعض فوائد علم حدیث" (اتحاف النبلاء نواب صدیق حسن ص ۱۰۹)

مشہور متداول رسالہ ہے، اس کے سوا آپ کی اور چند تالیفات کا بھی ذکر ہے، (عدد ۶۲ و ۱۲۳)

(۱۰) **اصول حدیث** (عربی) مولوی سلام اللہ محدث رام پوری (م ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء)..... (از علماے ہند

ص ۷۷) ترجمہ شیخ کے لئے ملاحظہ ہو (معارف ج ۵۰ نمبر ۶ ص ۴۲۱)

آپ کی تالیفات حدیث میں (۱) ترجمہ صحیح بخاری (فارسی) (۳۹) (۲) ترجمہ شمائل ترمذی (بعدد ۵)

کا ذکر آیندہ آئے گا،

آپ کے والد حضرت شیخ الاسلام اور شیخ الاسلام کے والد حافظ فخر الدین کی ایک تصنیف بھی زیب

اوراق ہے (عدد ۳۸ و ۴۴)

| قسم دوم اسناد حدیث میں دو کتابیں |

(۱۱) **وثیقۃ الاکابر** (عربی) شیخ فقیر اللہ بن عبد الرحمان القرشی

سندی نے سند کی ضرورت پر بحث کر کے مختلف کتب حدیث وغیرہ کے متعلق اپنے اسناد لکھے ہیں ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء

میں یہ رسالہ لکھا گیا، لب اللباب المعارف العلمیہ فی مکتبۃ دار العلوم الاسلامیہ پشاور ص ۶۹ عدد مسلسل (۳۲۵)
"کتب خانہ اسلامیہ کالج پشاور میں آپ کی ایک اور تصنیف، قطب الارشاد عربی میں فقہ اور تصوف پر
قلمی موجود ہے، آپ ملا حبیب اللہ قندھاری کے شیخ الشیخ ہیں" (لب اللباب المعارف..... ص ۸۰ عدد مسلسل ۹۷۹)

زمانۂ وفات کا اندازہ سنہ تالیف تذکرۃ الصدر (۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) سے کیا جا سکتا ہے۔

(۱۲) الارشاد الی مہمات الاسناد، (عربی)
(۱۳) الانتباہ فی اسناد حدیث رسول اللہ (عربی)
(۱۴) فضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عربی)
از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء)

اول الذکر (الارشاد) کا قلمی نسخہ کتب خانہ حمیدیہ بھوپال میں ہے، (معارف دسمبر ۱۹۳۶ء) اور
فضل المبین کا قلمی نسخہ کتب خانہ سید احمد شاہ محدث رام پوری کے دار الکتب میں راقم الحروف نے دیکھا ہے۔

(۱۵) حصر الشارد[1] فی اسانید محمد عابد..... للشیخ محمد عابد بن الشیخ احمد علی سندی مجلدیست
ضخیم در دے الوف کتب و جمیع مسلسلات خود ذکر کردہ محتویست بر ہمہ مسانید مشائخ حرمین وغیرہم"
(اتحاف النبلاء ص ۲، و الفوائد البہیہ مولانا عبد الحئی لکھنوی ص ۹۵) ترجمہ شیخ محمد عابد کے لئے ملاحظہ ہو معارف
جلد ۵ نمبر ۴ ص ۲۲۲، سال وفات ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء ہے۔

(۱۶) الفیض الجاری فی اسانید البخاری[2]
(۱۷) المرتضویہ فی المسلسل بالاولیۃ
(۱۸) اکلیل الجواہر الغالیہ فی روایۃ الحدیث العالیہ
(۱۹) المجالس الشیخونیہ
(۲۰) یرنامجہ
للشیخ محمد مرتضیٰ بلگرامی (الزبیدی) (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء)

یرنامجہ کے متعلق نواب صدیق حسن فرماتے ہیں:-

[1] قال الشیخ محمد عابد فی کتابہ حصر الشارد فی اسانید محمد عابد "فقد اجزت کافۃ من ادرک حیاتی من المسلمین ان یروی عنی جمیع ما اشتمل علیہ ھذا السفر بالاسانید التی ذکرتھا وکانت تمامہ فی بلد زبید فی شہر رجب سنہ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء"
(المکتوب اللطیف مولانا شمس الحق دیانوی ص ۹)

[2] نمبر ۲۰ تا ۱۵ کے نام منتہی الارب ص ۴ و ۱۵ سے ماخوذ ہیں۔

"قال السراج القزوینی عن شیخنا ان النسخۃ التی یکتب فیہا المحدث
اسماء رواتہ واسانید الکتب المسموعۃ تسمی بذلک، محرر سطور
می گوید ازین جنس ست یرنامجہ سید محمد مرتضیٰ" (اتحاف النبلاء ۱۰۶)

تذکرۂ علمائے ہند (ص ۲۲۵) میں سید ممدوح کے مولفات میں الفیۃ السند کے نام سے جس کتاب کا ذکر
ہوا ہے، شاید یہی یرنامجہ ہو۔

(۲۱) مدارج الاسناد، از شیخ محمد المعروف بہ ارتضیٰ علی خان گوپاموی (م ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء) (الفوائد البہیہ
فی تراجم الحنفیہ ص ۹۵)

"ابن مصطفیٰ علی خان در سال ۱۱۹۸ھ / ۱۷۸۳ء متولد شد، بخدمت مولوی حیدر علی سندیلی (م در رجب
۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء) علوم عقلی و نقلی اخذ کردہ و فن ادب از مولوی محمد ابراہیم بلگرامی آموختہ
جامع شریعت و طریقت بود....." (علمائے ہند ۲۱)

تیسری قسم تخریجات حدیث پر ۶ کتابیں

(۲۲) تخریجات حدیث شیبتنی ہود،
(۲۳) تخریج نعم الادام الخل،
(۲۴) عقد الجواہر الثمین فی تخریج حدیث اطلبوا العلم ولو کان بالصین
(۲۵) المواہب الجلیہ فیما یتعلق بحدیث الاولیۃ[1]
(۲۶) العروس المجلیہ فی طرق حدیث الاولیۃ[2]
(۲۷) التحبیر فی الحدیث المسلسل بالتکبیر
از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء)

چوتھی قسم رجال پر ۳ کتابیں

(۲۸) النور السافر فی اخبار القرن العاشر للشیخ عبد القادر بن الشیخ
عبد اللہ العیدروس ابو بکر محی الدین الیمنی الحضرمی الہندی ولد یوم الخمیس ربیع الاول (۹۷۸ھ / ۱۵۷۰ء) بمدینۃ
احمد آباد من بلاد الہند..... (م ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء) (التعلیقات السنیۃ مولانا عبد الحئی لکھنوی علی الفوائد البہیہ ص ۳۶)

مولانا ممدوح نے شیخ کی حسب ذیل ۱۸ تالیفات کے نام رقم فرمائے ہیں:-
(ص)
(۱) الفتوحات القدسیہ فی الخرقۃ العیدروسیہ (۲) الحدائق الخضرۃ فی سیرۃ النبی و اصحابہ العشرۃ

[1] و [2] حدیث الاولیہ کی شرح میں آپ کی تالیف عدد ۹، میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) الدر الثمین فی بیان المہم من الدین (۴) اتحاف الحضرۃ العزیزۃ بعیون السیرۃ الوجیزۃ (ص) (۵) المنہاج الی معرفۃ المعراج ص (۶) المنتخب المصطفیٰ فی مولد المصطفیٰ (ص) (۷) الانموذج اللطیف فی اہل البدر الشریف (ص) (۸) اسباب النجاۃ والنجاح فی اذکار المساء والصباح (مطبوعہ مصر) ص (۹) الحواشی الرشیقہ علی العروۃ الوثقیٰ (۱۰) منح الباری بختم البخاری ص (۱۱) تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء ص (۱۲) عقد اللآلی بفضائل اللآلی ص (۱۳) بغیۃ المستفید بشرح تحفۃ المرید (۱۴) النفحۃ العنبریہ فی شرح البیتین العدنیۃ (۱۵) غایۃ القرب فی شرح نہایۃ الادب، (۱۶) اتحاف اخوان الصفا بشرح تحفۃ الظرفاء (۱۷) صدق الوفا بحق الاخاء (۱۸) ودر نور السافر،......

شیخ عبد القادر کی تالیفات مین سے جن کتابون کے نام سے کسی شعبۂ حدیث کے ساتھ اس کا قریبی تعلق سمجھا گیا، ان کا ذکر مضمون ہذا مین کیا گیا ہے، ایسی کتابون کی تعداد دس ہے، جن کے نام پر علامت ص لگا دی گئی ہے، عدد ۲۸، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۳۰، ۱۳۷،

(۲۹) **المغنی فی ضبط اسماء الرجال** و**نسبہم** شیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار (م ۹۹۶ھ / ۱۵۸۷ء)

(التعلیقات السنیہ ص ۶) آپ کی ایک اور تالیف کا ذکر عدد ۵۲ مین آئے گا،

(۳۰) **طبقات الحفاظ**: از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) (علمائے ہند ۲۲۵)

| پانچوین قسم لغت حدیث پر ۳ کتابین | (۳۱) **مختصر نہایہ ابن اثیر** از شیخ علی متقی برہان پوری (م ۸۸۵ھ / ۱۴۸۰ء)

(اتحاف النبلاء ۴، ( ) ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف ج ۵ نمبر ۶ ص ۴۲۳،

(۳۲) **مجمع الغرائب فی غریب الحدیث**
(۳۳) **المفہم شرح غریب صحیح مسلم**،
| شیخ ابو الحسن عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر بن عبد اللہ الفارسی نیشاپوری غزنوی (م ۵۲۵ھ / ۱۱۳۳ء)
(اتحاف النبلاء صفحہ ۳۰۲)

آپ کے ترجمہ مین نواب صاحب فرماتے ہین :-

"واز غزنہ بہند شتافتہ وروایت حدیث نمودہ" (اتحاف النبلاء ۳۰۵)

غزنہ کے متعلق مولانا عبد الحئی لکھنوی کی تصریح ہے :-

"من اول بلاد الہند ذکرہ السمعانی"

کنیت مین ابو الحسین وابو الحسن دو روایتین ہین، اور دونون (الفوائد البہیہ صفحہ ۲) مولانا ممدوح

سے نقل ہین، یعنی تعلیق الممجد مین ابو الحسن بھی ہے اور ابو الحسین بھی !

"وروی عنہ الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ وابو الحسین عبد الغافر الفارسی" (تعلیق الممجد ص ۳۳)

راقم الحروف نے شیخ ممدوح کا تذکرہ باتباع خطیب و ابن عساکر وامثالہم علمائے ہند مین کیا،

چون صوفیان بحالت ورقصند در سماع
ما نیز ہم بشعبدہ دستے برآوریم

یہ بھی عجب نہین کہ شیخ عبد الغافر کا نیشاپوری ہونا اسی طرح ہو جیسے سید مرتضیٰ بلگرامی کا زبیدی بن جانا، شیخ کی ایک اور تالیف کا ذکر سلسلۂ اربعین مین عدد ۱۴۲ پر ملاحظہ سے گذرے گا،

| چھٹی قسم شروح بخاری کی ۱۰ کتابین | (۳۴) **شرح بخاری** (نا معلوم الاسم) شیخ حسن بن محمد الصغانی اللاہوری (م ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء)

"واین شرحے مختصر است و دریک مجلد است" (اتحاف النبلاء ص ۵۵)

شیخ کا ترجمہ معارف ج ۵ نمبر ۶ مین موجود ہے، اور اس مضمون مین آپ کی پانچ تالیفات کا ذکر ہے، عدد ۳۴، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۲۲،

(۳۵) **فیض الباری**، میر سید عبد الاول بن علاء الدین الحسنی،

نواب صاحب لکھتے ہین :-

"جامع جمیع علوم عقلی ونقلی ورسمی وحقیقی و دراکثر علوم تصانیف دارد بر صحیح بخاری شرح نوشتہ مسمیٰ بفیض الباری..... بغایت معمر ومسن بود........ و مرید بعضے از اولاد سید محمد گیسو دراز جون پوری آخر در سنہ ۹۶۸ھ / ۱۵۶۰ء برحمت حق پیوست قبر او درون قلعہ دہلی است درمیان گور غریبان افتادہ است....." (اتحاف النبلاء ص ۳۰۲)

فیض الباری کے علاوہ سید عبد الاول کی بعض اور تصانیف ہین (۲) رسالہ فرائض منظوم (۳) رسالہ فارسی در تحقیق نفس (۴) منتخب سفر السعادۃ از تصانیف وے مشہور اند وعلاوہ آن بر اکثر کتب حواشی وشرح وتعلیقات دارد....." (علمائے ہند ۱۰۶)

ان تالیفات مین سے عدد ۳۵ کے علاوہ عدد ۶۰ کا ذکر آگے ملاحظہ سے گذرے گا، شیخ کا وطن زید پور متصل جونپور ہے،

(۳۶) **شرح صحیح بخاری**: از شیخ یعقوب صرفی تخلص کشمیری خلف شیخ حسن کنائی عاصمی از اکابر کشمیر بود از شیخ حسین خوارزمی تعلیم باطن و سند حدیث از شیخ ابن حجر مکی گرفتہ...... تصانیف تفسیر کلام مجید ناتمام و شرح صحیح بخاری وغیرہا...... م سنہ ۹۵۷ھ / ۱۵۵۰ء (علمائے ہند ص ۲۵۵)

(۳۷) **تیسیر القاری شرح صحیح البخاری**، شیخ المفتی نور الحق (م سنہ ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۲ء) ابن الشیخ عبد الحق محدث دہلوی (اتحاف النبلاء ۴۵)

"واو برسی جز صحیح بخاری شرح وافی داشت ومعضلات ومشکلات احادیث راحل ساختہ،
(نزہت الناظرین بحوالہ رسالہ اورنٹیل کالج میگزین لاہور اگست سنہ ۱۹۲۸ء)

آپ کی ایک اور تالیف کا ذکر عدد ۴۵ میں آئے گا،

(۳۸) **شرح صحیح بخاری فارسی**: از شیخ الاسلام رام پوری (والد ماجد مولوی سلام اللہ محدث رام پوری م سنہ ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۳ء) (علمائے ہند ص ۷۰) "تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی،

(۳۹) **ترجمۂ فارسی صحیح بخاری** از شیخ سلام اللہ محدث رام پوری (م سنہ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء) ان کی ایک تالیف کا تذکرہ معارف (جلد ۵ نمبر ۶ ص ۴۲۱) میں ہے،

ان کے والد کی مذکور الصدر شرح بخاری کا ذکر صاحب علمائے ہند نے انہی کے نام کے ساتھ کیا ہے،

(۴۰) **نور القاری شرح صحیح البخاری**: شیخ نور الدین بن محمد صالح الاحمد آبادی (م سنہ ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء)

"علامۂ زمان ویگانۂ روزگار بود، درین عصر مثل او کم گذشتہ نزد ملا احمد سلیمان و ملا فرید الدین احمد آبادی تلمذ کردہ سرآمد ارباب دانش گردید...... از ابتدائے تحصیل تا انتہائے عمر بہ تدریس و تصنیف پرداخت و عالمے را بہ تبحر رسانید، و زیادہ بر یک صد و پنجاہ تصنیف صغیر و کبیر در سلک تحریر کشیدہ مثل (۱) تفسیر کلام اللہ (۲) و شرح بخاری (۳) و حاشیہ قویہ بر حاشیہ قدیمہ (۴) و حواشی شرح مواقف (۵) و شرح مقاصد (۶) و شرح مطالع (۷) و شرح تلویح، (۸) و شرح عضدی (۹) و معول حاشیہ مطول (۱۰) و حاشیہ شرح وقایہ (۱۱) و حاشیہ شرح ملا (۱۲) و طریق الامم (۱۳) و شرح فصوص الحکم، — ولادت او در احمد آباد در سنہ ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۳ء شدہ و وفات در شعبان سنہ ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء عمرش ۹۰ سال و قبرش قریب خانقاہ او ست،"

(اتحاف النبلاء ص ۴۲۷)

(۴۱) **ضوء الدراری شرح صحیح البخاری**: سید علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی (م سنہ ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء) تا کتاب الزکوٰۃ (اتحاف النبلاء صفحہ ۱۳۳) کہ "ملخص است از ارشاد الساری با زیادت فوائد علی القلیہ!"
(اتحاف النبلاء صفحہ ۱۵۶)

(۴۲) **نظم اللآلی فی شرح ثلاثیات البخاری**: شیخ عبد الباسط بن مولوی رستم علی بن ملا اصغر علی (م سنہ ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء).... تصانیف ایشان بسیار است ہمہ نافع و مفید، منہا نظم اللآلی..... و انتخاب الحسنات ترجمہ احادیث دلائل الخیرات، و حبل المتین فی شرح الاربعین و جواہر خمسہ و رفرائض و عجیب البیان فی اسرار القرآن، و شرح شافیہ ابن حاجب مسمی بشفاء الشافیہ وغیر ذلک" (اتحاف النبلاء ص ۳۰۹) ان کتابوں میں سے نمبر ۲ و ۳ کا ذکر آگے آئے گا،

(۴۳) **منح الباری شرح صحیح البخاری**: للشیخ محمد احسن الواعظ الحافظ ابن الحافظ محمد صدیق ابن الحافظ محمد اشرف النحوشابی الفتنا وری المعروف بہ حافظ دراز...... و مراد از حفظ قرآن ست نہ حفظ حدیث...... و این شرح پارۂ اول است، از شروع در مقصود نبذے از مناقب ائمۂ اربعہ و امام بخاری ذکر کردہ و معلوم نہ شد کہ این شرح باتمام رسید یا نہ (اتحاف النبلاء ۱۶۱)

صاحب علمائے ہند ان کے حالات میں لکھتے ہیں :-

"در فقہ و حدیث و اصول یگانۂ روزگار از دودمان علم و فضل بود اکثر علوم از والدۂ خود کہ عالمہ و فاضلہ بود تحصیل نمود بر مسند افادت و افاضت متمکن شد و تمام عمر گرامی بدرس طلبہ و تالیف کتب صرف کردہ، منح الباری (م ن ح)[1] شرح فارسی صحیح بخاری و تفسیر سورۂ یوسف و تفسیر والضحی، و معراج نامہ، و وفات نامہ، و حاشیہ شرح مبارک بر سلم، و حواشی تتمۂ اخوند یوسف وغیرہ رسائل و کتب از تصانیف او ست بعمر ۶۰ سالگی بعد ورود سنہ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء رحلت نمود، (علمائے ہند صفحہ ۲۰)

ساتوین قسم شروح صحیح مسلم مین ۵ کتابین

(۴۴) **شرح فارسی صحیح مسلم** از شیخ فخر الدین (جد شیخ سلام اللہ محدث رامپوری م سنہ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء)، (علمائے ہند ۶۷) ترجمہ و تاریخ وفات دونون معلوم نہین ہوسکے، شیخ سلام اللہ (ان کے پوتے) کے سال وفات سے ان کے زمانۂ وفات کا تخمینی اندازہ ہوسکتا ہے،

---

[1] نواب صاحب نے اتحاف مین نام منح (م ن ح) لکھا ہے،

(۴۵) شرح صحیح مسلم: شیخ نور الحق ابن شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲ء) (علماے ہند ۲۲۶)

ان کا تذکرہ اوپر نمبر ۳۰ میں گذر چکا ہے،

(۴۶) حاشیۃ السندی علی الجامع الصحیح للامام مسلم بن الحجاج (مخطوط) للشیخ ابو الحسن السندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء)

(فہرس الکتب العربیۃ الموجودۃ بالدار لغایت سنۃ ۱۹۲۱ء نمبر ۲۷۹، صفحہ ۱۱۱) آپ کی دوسری تالیفات کا ذکر عدد ۴۹، ۵۰، ۵۴، ۵۸، ۶۰ کے تحت میں آئے گا،

(۴۷) ابتہاج بختم صحیح مسلم ابن الحجاج: سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی کا (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء)

(قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب ص ۱۴۴)

(۴۸) سطر النجاح شرح صحیح مسلم ابن الحجاج: للشیخ ولی اللہ الفرخ آبادی، در زبان فارسی ست وتمام نشدہ (اتحاف ۴۰۱) (م ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء) (از علماے ہند ص ۲۵۲)

آٹھویں قسم شروح سنن ابی داؤد میں ایک کتاب | (۴۹) فتح الودود علی سنن ابی داؤد: شیخ ابو الحسن سندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء) (اتحاف النبلاء ص ۱۹ و ص ۴۲۲) (اس کتاب کا ذکر غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد للشمس الحق ڈیانوی[1] (م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء) صاحب عون المعبود میں بھی ہے:-

"ومنہم الفاضل الکامل الشیخ العلامہ ابو الحسن السندی ابن عبد الہادی المدنی لہ شرح لطیف بالقول لی سماہ فتح الودود علی سنن ابی داؤد" (غایۃ المقصود ص ۹)

نویں قسم شروح سنن نسائی میں ایک کتاب | (۵۰) تعلیق السندی (عربی) شیخ ابو الحسن السندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء)

---

[1] علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، اعلام اہل حدیث سے ہیں، ابو داؤد پر آپ کی دو شرحیں: عون المعبود و غایۃ المقصود میں سے اول الذکر کامل چھپ چکی ہے، اور ثانی الذکر کا صرف پارۂ اول (۳۰ پاروں میں سے) چھپا ہے، غایۃ المقصود کے حاشیہ پر ۲ کتابیں ہیں (۱) تلخیص ابی داؤد للمنذری (۲) تہذیب السنن لابن القیم، ابو داؤد کی یہ دونوں شرحیں بازار میں نایاب ہیں، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی کا شکوہ ایسی کتابوں کے نہ چھپوانے میں کس طرح کیا جاے، کہ اُس کے کرنے کا تو یہ کام بھی نہ تھا!

مجھے اس سے کیا توقع بزمانہ جوانی
سنی کودکی میں جس نے نہ کبھی میری کہانی

یہ شعر بپاس خاطر مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب (مدیر اہل حدیث) لکھا گیا کہ آپ ہی اس کانفرنس کے جنرل سکریٹری ہیں،

تعلیق نسخہ نسائی مطبوعہ انصاری پریس دہلی ۱۳۰۹ھ کے حاشیہ پر ہے اس نسخہ میں دوسرا حاشیہ (عربی) ڈاکٹر نذیر احمد صاحب دہلوی کا المسمی بہ الحواشی الجدیدہ ہے، اور اس تعلیق (السندی) کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں بھی ہے، (فہرس الکتب الموجودۃ فی الدار لغایت سنۃ ۱۹۲۱ء ۱: ۲۵۲)

دسویں قسم جامع ترمذی پر، کتابیں | (۵۱) شرح الشیخ سراج احمد السرہندی، "وہو بالفارسیۃ وقد طبع قطعۃ منہ ومن شرح ابی الطیب السندی (م ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء) فی المطبعۃ النظامیہ فی الہند، (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۰[1])

لابی العلی مولانا عبد الرحمن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء) صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی،

(۵۲) تعلیق الترمذی: شیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار (م ۹۸۶ھ/۱۵۷۸ء) (مقدمہ تحفۃ الاحوذی فی ذکر شروح الترمذی)

(۵۳) شرح ابو الطیب[1] سندی (م ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء) (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۰)

(۵۴) شرح ابی الحسن بن عبد الہادی السندی المدنی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء) وہو شرح لطیف بالقول کذا فی کشف الظنون (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۱)

(۵۵) دُرّ المضرع فی شرح حدیث ام زرع شمائل ترمذی و از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی، (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) "من تالیفش ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء است و در سہ ورق است بر مذاق اہل باطن" (اتحاف النبلاء ۹۶)

یہ شرح بھی بشرات (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کی جیسی ہے، جیسا کہ سید مرتضیٰ صاحب سے منقول ہے:-

"ہذہ نبذۃ تتضمن الکشف والبیان من حقائق الوجوب والامکان القاہ روح الامر القرآنی وجامع السبع المثانی فی تلویح صاحب الشرع مما فی حدیث ام زرع مما استفدتہ من مجالستہ قرۃ عین ومؤانسۃ من لا تاخذہ سنۃ ولا نوم"

(اتحاف النبلاء ص ۱۹۶)

---

[1] نواب محمد علی خان والی ٹونک کے فرزند نواب زادہ محمد عبد الوہاب خان صاحب نے ترمذی کی چار شرحوں عارضۃ الاحوذی، قوت المغتذی سیوطی اور ابو الطیب سندی اور سراج احمد سرہندی کی شرحوں کو مجموعۂ اربعہ کے نام سے چھپوایا تھا، لیکن غالباً اس کی ایک ہی جلد چھپ سکی،

(معارف نمبر ۲ جلد ۵۱ ص ۹۰)

خوش قسمتی یا بدنصیبی سے حدیث ام زرع تشبیہات و استعارات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایسے شارحین کی دلچسپی کا عجیب مشغلہ بن گئی ہے، حتی کہ سید صاحب نے تو (من ورا حجاب نہیں بلکہ) بلا حجاب صاحب حدیث یعنی روح الامر القرانی وجامع السبع المثانی سے بالمشافہ ان استعارون اور تشبیہون کا حل معلوم کرلیا!

راز درون پردہ کہ سالک بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

(۵۶) دُرر الفضائل، شرح شمائل ترمذی، از شیخ علیم الدین بن مولوی فصیح الدین قنوجی (م ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء) شاگرد مولوی عبد الباسط قنوجی (م ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء) "تاریخ تسوید وقت الضحیٰ من یوم الجمعۃ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء" (اتحاف ۱۰۱)

(۵۷) ترجمۂ فارسی شمائل ترمذی: از شیخ سلام اللہ محدث رام پوری (م ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء) (علمائے ہند، ۲، تعلیق المجد ۲۶)

گیارہوین قسم شروح سنن ابن ماجہ مین ۲ کتابین

(۵۸) شرح ابن ماجہ: از شیخ ابو الحسن سندی (م ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء) (اتحاف النبلاء ۱۰۰، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ۶۶)

(۵۹) انجاح الحاجہ: از شیخ عبد الغنی مجددی دہلوی (م ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء) متداول ہندوستانی نسخون کے حاشیہ پر ہے،

اس مضمون مین راقم نے اس کا التزام کیا ہے، کہ ۱۸۵۰ء کے اندر کی تالیفات پیش کی جائین، شیخ عبد الغنی کا انتقال ۷۶ سال کی عمر مین ۱۸۷۸ء مین ہوا ہے، ہم نے تالیف کی عمر چالیس سال قرار دے کر ان کی تالیف کو ۱۸۴۲ء مین مانا ہے، اس اعتبار سے ان کی تالیف ہماری مقررہ حد کے اندر آجاتی ہے،

بارہوین قسم مسند امام احمد بن حنبل پر ایک شرح

(۶۰) شرح مسند امام احمد بن حنبل[۱]: در پنجاہ کراسہ از

[۱] مسند امام احمد پر علمائے ہند کی سعی پامال کا ایک نمونہ مولوی عبد الحکیم نصیر آبادی کی تبویب بھی ہے، جو آج سے تقریبا ۳۰ سال قبل کی گئی تھی، اور ابھی تک وہ اہل حدیث کانفرنس دہلی کے قبضۂ جبر و اختیار مین ہے، مؤلف نے تو صرف تبویب فقہی کی تھی، مگر ارباب کانفرنس نے اسے بھی عون المعبود کی شکل مین لانا چاہا، ۶۰ صفحے چھپ بھی چکے اسی شرح ہوئی، اس کے بعد اصل نسخہ کانفرنس کی الماری مین پڑا ہے، سنا ہے کہ شیخ الحدیث رحمانیہ دہلی (مولینا

ابو الحسن بن عبد الہادی السندی (م ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء) (اتحاف ۱۲۲)

تیرہوین قسم موطائے امام مالک پر ۲ شرحین

(۶۱) المصفّٰی شرح فارسی موطائے امام مالک: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء) معارف ج ۵۰ نمبر ۶ مین آپ کی عربی شرح المسوّیٰ کا ذکر آچکا ہے،

(۶۲) تعلیقات علی المسوی: (عربی) از شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء) بصورت حواشی (مختصرہ) بر نسخہ المسوّیٰ مطبوعہ مکہ معظمہ (بحوالہ تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۵۴)

چودہوین قسم شروح مشکوٰۃ المصابیح مین ۶ کتابین

(۶۳) شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) ملا علی طارمی "محدث منسوب بہ شہر طارم کہ وطن اوست ... بالجملہ ملا علی طارمی اکتساب علم حدیث از محدثین ملک عرب نمودہ و شرح مشکوٰۃ المصابیح و شرح فقہ اکبر بکمال متانت و نفاست تصنیف کردہ، و در ہندوستان بخدمت ہمایون بادشاہ اختصاص داشت و در شہر اکبر آباد ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء بر طارم فردوس قدم گذاشت" (روز روشن ص ۴۰۵[۱])

(۶۴) ذریعۃ النجاۃ فی شرح المشکوٰۃ: از شیخ عماد الدین محمد عارف معروف بہ عبد النبی شکاری اکبر آبادی (ملاحظہ ہو عدد ۳)

(۶۵) اشعۃ اللمعات، فارسی شرح مشکوٰۃ از شاہ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) نہایت مشہور و متداول کتاب ہے،

(۶۶) حاشیہ بر مشکوٰۃ المصابیح، شیخ محمد سعید سہرندی (یا سرہندی) ابن مولانا شیخ احمد مجدد الف ثانی ابن عبد الاحد سرہندی "لقب وے خازن الرحمۃ است دانشمند متبحر فقیہ و محدث بود ظاہر و باطن از والد خود آموختہ حاشیہ بر مشکوٰۃ المصابیح نوشتہ در ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء رحلت فرمود (علمائے ہند صفحہ ۱۰۹)

(۶۷) مظاہر حق، ترجمہ و شرح اردو مشکوٰۃ المصابیح از نواب محمد قطب الدین دہلوی (م ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء) اس کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ دراصل یہ کتاب شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی (م ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء) کی کسی نامعلوم الاسم کتاب کی شرح اور ترجمہ ہے، چنانچہ نواب صاحب ممدوح لکھتے ہین:-

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۲) عبید اللہ صاحب مبارک پوری) کانفرنس کی مجلس عاملہ مین تشریف لانے کے بعد کانفرنس کی طرف سے یہ نسخہ چھپوانے کے لئے مصر تشریف لیجانے کو ہین، کانفرنس مین آپ کی شمولیت سے ارباب ذوق کو یہ نعمت تو حاصل ہوگئی۔

[۱] روز روشن مولفہ مولوی محمد مظفر حسین صبا گوپا مئوی مشتمل بر تذکرۂ شعرائے فارسی عہد امیر الملک نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء) میں لکھی گئی،

"بعد اس کے مسکین محمد قطب الدین شاہ جہان آبادی عرض کرتا ہے، کہ کتاب مشکوٰۃ شریف علم حدیث میں عجب نافع کتاب ہے، کہ ہر مضمون کی حدیثیں اس میں مندرج ہیں اس کا ترجمہ عدیم النظیر میرے استاد بزرگ مولانا مخدومنا مکرمنا حضرت حاجی محمد اسحاق نواسہ حضرت شیخ عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیچ زبان ہندی کے بین السطور میں لکھا تھا، لیکن کاتبوں سے اس کی صحت میں فرق آنے لگا، مرضی جناب موصوف ایسی پائی کہ اگر یہ بطور شرح کے لکھا جاوے، بہتر ہے، اس سے اس ہیچمدان نے ترجمہ اس کا عبارت عربی سے علیحدہ کرکر لکھا اور فائدے مختصر مناسب مقام کے شروح مشکوٰۃ وغیرہ مثل مرقاۃ شرح ملا علی قاری اور ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق اور حاشیہ سید جمال الدین رحمہم اللہ کے اور سوائے ان کے سے زیادہ کرکر خدمت عالی میں عرض کی، اور جناب ممدوح نے بھی کچھ فائدے لکھے تھے تبرکاً اس میں درج کئے، اور نام اس کا مظاہر حق رکھا گیا، کہ اس میں اس کی تاریخ نکلتی ہے،"

(مظاہر حق جلد اول)

گویا یہ شرح (مظاہر حق) اصلاً شاہ محمد اسحاق صاحب (م ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء) کی ہے، اور نواب قطب الدین (۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء) نے اس کی تہذیب فرمائی ہے،

(۶۸) ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح، از مولوی احمد یار بہ عہد راجہ گلاب سنگھ حکمران جموں (از سنہ یاسمہ) مولوی صاحب کے بزرگوں کا وطن قصبہ سوہدرہ (ضلع گوجرانوالہ) ہے، مولوی احمد یار کی بود و باش موضع قلعہ اسلام گڑھ (متصل جلال پور جٹاں ضلع گجرات پنجاب) میں تھی، جہاں سے آخر عمر میں موضع مراله بر لب دریا چناب بسمت شمالی) اقامت فرما ہوئے،

آپ نے راجہ گلاب سنگھ کی فرمایش پر گرنتھ صاحب کا ترجمہ فارسی میں شروع کیا تھا ایک اور تصنیف بطرز شاہنامہ فردوسی لکھنی شروع کی تھی جس میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے واقعات تھے، مگر دونوں پوری نہ ہو سکیں، مفتاح النبوۃ کے رکن چہارم کا ترجمہ کیا، اور پنجابی نظم میں ۴۴ کتابیں لکھیں، جن کے مسودے مولوی محمد لطیف صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول قصبہ پھالیہ (گجرات پنجاب) کے پاس موجود ہیں' (مستفاد از مبینہ سخنوران ہند (زیر تالیف) من ابی یحییٰ راقم مضمون بحوالہ اورینٹل کالج میگزین لاہور)

پندرہویں قسم شرح بلوغ المرام میں ایک کتاب

(۶۹) شرح بلوغ المرام از شیخ محمد عابد سندی (م ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء)

(تراجم علماے حدیث ہند جلد ا ص ۵۰۲ بحوالہ علماے ہند فارسی ص ۲۰۲)

سولہویں قسم مختلف کتب احادیث کی شرح میں ۲۰ کتابیں

(۷۰) انتخاب سفر السعادۃ: میر سید عبد الاول جونپوری (م ۹۶۸ھ/۱۵۶۰ء) "در سیر نیز نوشتہ منتخب از کتاب سفر السعادۃ و بر اکثر کتب حواشی و شروح و تعلیق دارد"

(اتحاف ص ۳۰۲)

(۷۱) شرح سفر السعادۃ (فارسی) از شاہ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) مشہور و متداول ہے۔

(۷۲) قصر الآمال بذکر الحال والمآل (فارسی) از مولوی رفیع الدین بن عظمت اللہ مرادآبادی (م ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء) - کہ

"یکے از فضلاے معتبرین ہند بود، علم حدیث از مولوی خیر الدین سورتی، تلمیذ شیخ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء) و از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) استفادہ نمود، و سعادت اداے حج و عمرہ یافت، و درین باب کتابے نوشتہ حالات الحرمین (عدد ۱۰۹) و او را با شاہ عبد العزیز مذاکرہ علوم و استفاضہ منطوق و مفہوم بود، مسائل صعبہ را از تفسیر و حدیث از وے پرسید و دران موشگافیہا می کرد، و تصانیف ایشان بسیار است از ان جملہ قصر الآمال بذکر الحال والمآل و اسنی المطالب بذکر الحبیب (عدد ۱۴۱) ترجمہ عین العلم و شرح اربعین نووی (عدد ۱۲۸) و کنز الحساب و تذکرۃ المشائخ و کتاب الاذکار (عدد ۱۳۸) و تذکرۃ الملوک و شرح غنیۃ الطالبین و تاریخ افاغنہ و جز آن، انتقال ایشان در بلدہ مرادآباد، یکم ذی الحجہ ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء بمرض استسقا بود رحمہ اللہ تعالیٰ (اتحاف النبلاء ۲۵۱)

(۷۳) شرح الصلوٰۃ معراج المومن
(۷۴) شرح خیر الاسماء عبد اللہ و عبد الرحمن
(۷۵) شرح حدیث کنت کنزاً مخفیاً
} شیخ عماد الدین محمد عارف معروف بہ عبد النبی الشطاری الاکبرآبادی (ملاحظہ ہو عدد ۳)

(۷۶) تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ السلام، از شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء) تحریض فی العمل بالحدیث بر ذم علی التقلید (اتحاف فی ترجمۃ الشیخ) باتباع ذکر کتاب حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مضمون مقدمہ ڈاکٹر زبید احمد صاحب بیان میں لائی گئی، (ملاحظہ ہو معارف جلد ۵۰ نمبر ۴ مضمون ڈاکٹر صاحب ممدوح)

(۷۷) شرح الترغیب والترہیب، از شیخ محمد حیات سندی ممدوح الصدر، (اس کا ماخذ نظرانداز ہوگیا، ابویحییٰ)

(۷۸) تاویل الاحادیث (عربی) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء)

(۷۹) المرقاۃ الجلیہ فی شرح الحدیث الاولیۃ

(۸۰) کشف الغطا عن الصلوٰۃ المصطفیٰ،

(۸۱) رفع الاشتباہ عن مناقب بسم اللہ

(۸۲) العقد الثمین فی طرق الالباس والتلقین، } از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء)

(۸۳) الاحتفال بصوم الست من الشوال،

(۸۴) عقد الجمان فی بیان شعب الایمان

(۸۵) حدیقۃ الضیا فی الدین المصطفیٰ

(۸۶) شرح تیسیر الوصول الی احادیث الرسول: شیخ محمد عابد سندی (۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء)

جامع الاصول لاحادیث الرسول کی شرح ہے (مولفہ ابو السعادات المبارک بن ابی المکرم محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی الجزری المعروف بابن اثیر الجزری آخر شعبان ۶۳۰ھ / ۱۲۳۲ء (اتحاف ۴۶)

(۸۷) تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار (اردو) از مولانا خرم علی بلہوری (م ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء) مشہور عالم ربانی امیر المومنین سید احمد بریلوی (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء) کے رفقا میں تھے، تحریض عمل بالحدیث میں آپ کے یہ مشہور شعر ایک صدی سے آویزۂ گوش ہیں،

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے ۔۔۔ دُردانہ دُرج مصطفیٰ ہے

صوفی، عالم، حکیم دینی ۔۔۔ کرتے رہے اس کی خوشہ چینی

بابا کے یہاں سے کون لایا ۔۔۔ جس نے پایا یہیں سے پایا

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار ۔۔۔ مت دیکھ کسی کا قول و کردار

(۸۸) ترجمہ اردو حصن حصین، از نواب قطب الدین دہلوی (م ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء) علمائے ہند صفحہ ۱۲۹) اس تالیف کی وجہ صفحہ ۵۵ میں ملاحظہ فرمائیے،

(۸۹) شرح حصن حصین، مولوی فخر الدین رام پوری (م سنہ ؟) (علمائے ہند صفحہ ۱۶۶) (عدد ۷ ملاحظہ ہو)

(باقی)

استفسار وجواب

سادات وعلویین

اور

ان کی سیادت وشرافت کی نسبتیں

(۱)

جناب کرم الٰہی صاحب ہیڈ ماسٹر چک امرال، ضلع راولپنڈی، } "ہمیں اقوام اعوان، قریش، سادات الیسال کی تاریخیں درکار ہیں، مشہور ہے کہ اعوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہیں، اس کی کیا اصلیت ہے؟"

معارف:- حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی اولاد کی دو قسمیں ہیں، ایک تو سادات کہے جاتے ہیں جو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے دونوں صاحبزادوں حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہیں، اور عرف عام میں "سادات" سے موسوم ہیں، حضرت علیؓ کی دوسری اولادیں، دوسری ازواج سے ہیں، یہ لوگ نسباً و عرفاً "علوی" کہے جاتے ہیں،

آپ کے صوبہ میں جو مقامی طور پر مختلف قبائل اور خانوادے مختلف ناموں سے موسوم ہیں، ان کے حالات ان خاندانوں کے اکابر سے پوچھئے، پنجاب کے مختلف خاندانوں پر کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن ایسی کتابوں کا ذخیرہ ہمارے یہاں کم ہے، اس لئے ان خاندانوں کے متعلق اعتماد کے لائق کوئی بات عرض نہیں کیجا سکتی،

(۲)

جناب اسد علی صاحب انور ٹیلرنگ ہاؤس، مدار گیٹ، اجمیر شریف } (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری ازواج کی اولاد محمد بن حنفیہ وغیرہ کی اولاد کو تذکرۃ السادات" دوسری کتابوں میں "سید" سے ملقب کیا گیا ہے، اور صرف علمی فرق بتایا گیا ہے، لیکن بعض لوگوں

کو اس سے اختلاف ہے، وہ سیادت کی نسبت کو صرف حضرات حسنینؓ اور ان کی اولاد کے لئے مخصوص
جانتے ہیں، اور علویین کو شیوخ کہتے ہیں، حالانکہ حضرت علیؓ کی اولاد ہونے میں یہ دونوں برابر
ہیں اور میرے خیال میں ہر شخص کو اپنے باپ ہی کی طرف منسوب کرنا درست ہے، اس لئے سادات
علویین وفاطمیین میں کوئی فرق نہیں ہے، براہ کرم تفصیل سے مطلع فرمائیں باعث کرم ہوگا،
(۲) حضرت محمد بن حنفیہ فرزند سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے کتنے فرزند تھے، اور ان سے
اولاد جاری ہوئی؟"

معارف:- حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی اولاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ہونے کے سبب
نسبت سیادت سے منسوب نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "انا سید ولد آدم" (مستدرک حاکم) کی یاد
کو تازہ رکھنے کے لئے اپنے کو "سید" سے ملقب کرتے ہیں، یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے، کہ ہر شخص نسب میں اپنے آبا کی طرف
منسوب ہوتا ہے، اس لئے سادات کا نسلی انتساب حضرت علیؓ کی جانب ہوگا نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی طرف، اور جب انتساب حضرت علیؓ کی جانب ہوگا، تو یہ نسبت ان کی تمام ازواج کی اولاد کو یکساں حاصل ہے"
لیکن عموماً اصولوں اور قاعدوں میں استثنا بھی ہوا کرتا ہے اور اتفاق سے یہ استثنا یہاں موجود ہے، جس
سے یہ شبہ رفع ہو جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، آپ نے فرمایا،

کل بنی آدم ینتمون الی عصبۃ	تمام بنی آدم اپنے آبار کی قرابت کی
ابیھم الا ولد فاطمہ فانی انا	طرف منسوب ہیں، سوائے اولاد فاطمہ کے،
ابوھم وانا عصبتھم	میں ان کا باپ ہوں، اور مجھ سے ان کی
(طبرانی)	دادھیالی قرابت ہے،

اس حدیث کی سند کسی قدر مجروح ہے لیکن اس کی مؤید ایک دوسری روایت طبرانی ہی میں صحیح
سند سے مروی ہے اس میں آپ نے فرمایا:-

ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی فی	"اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد، اس
صلبہ وان اللہ جعل ذریتی فی	کے صلب میں رکھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے
صلب علی (المقاصد الحسنۃ للسخاوی ص ۱۵۰)	میری اولاد کو علی کے صلب میں رکھا،

نیز آپ نے فرمایا،

ھٰذان ابنای وابنا بنتی اللّٰھم	یہ دونوں میرے بیٹے ہیں، اور میری بیٹی کے
تعلم انی احبھما فاحبھما	بیٹے ہیں، اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ان
	کو چاہتا ہوں، تو بھی انھیں اپنی شفقت
	اور محبت کے سایہ میں لے،

اسی طرح آپ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

اما انت یا علی فختنی وابو ولدی	اے علی! تم تو میرے داماد ہو، میرے
انت منی وانا منک،	لڑکے کے والد ہو، تم مجھ سے ہو، اور
(نسائی در خصائص امیر المومنین علیؓ ص ۳۳)	میں تم سے ہوں،

خانوادۂ سادات کے لقب سید اختیار کرنے کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی زبان مبارک سے اس خانوادہ کے بزرگوں کے لئے جدا جدا یہ لقب عطا ہوئے، حضرت فاطمہؓ کے متعلق
"سیدۃ نساء اہل الجنۃ" فرمایا، حضرات حسنینؓ کو "سیدا شباب اہل الجنۃ" اور حضرت حسینؓ کو "سید الناس" فرمایا،
اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے ایک مرتبہ "سید العرب" کے لقب سے یاد فرمایا، اس پر کہا گیا کہ "سید العرب"
تو آپ ہی ہیں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا "انا سید ولد آدم" یعنی میں اولاد آدم کا سردار ہوں" (حاکم)
لیکن ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمائے ہوئے یہ القاب ذاتی ہیں، خاندانی اور موروثی نہیں، اور نہ
شریعت کی نگاہ میں اس سے کسی کو کوئی وجہ امتیاز و افتخار حاصل ہے، کہ ایک دوسرے موقع پر آپ نے یہ بھی
فرمایا "انا سید ولد آدم ولا فخر" پھر قرآن مجید کا یہ فیصلہ ناطق موجود ہے کہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" یعنی
"اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے، جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے" مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ
نے ارشاد فرمایا"

وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا	یعنی ہم نے تم کو گروہوں اور قبیلوں میں
	بنایا، تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو،

اس سے اس حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ انسانوں کا شعوب، قبائل اور خانوادوں کی
شناخت کو قائم رکھنا اسلام کی نگاہ میں نارو انہیں، البتہ اس کو وجہ امتیاز اور باعث فخر و مباہات سمجھنا صحیح
نہیں ہے، چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی لوگوں نے خانوادوں کی باہمی شناخت کو قائم رکھا، لیکن بعض

خانوادون کو "شرافت و سیادت" کی نسبتیں کیونکر حاصل ہوگئین، ہمارے خیال مین ان کا تعلق تمام تر استعمال اور رواج سے ہے، اور جو لوگ ان خانوادون سے تعلق رکھتے ہین، اور سیادت کی نسبتیں استعمال کرتے ہین، وہ محض اس خانوادہ سے اپنی نسبت کو ظاہر کرتے ہین، نہ کہ ان نسبتون کے معنوی پہلوؤن کو سامنے رکھکر کسی برتری اور تفوق کا پہلو بھی اپنے سامنے رکھتے ہین، یہ دوسری بات ہے کہ کثرت استعمال اور عام رواج کر یہ نسبتین ان خانوادون سے وابستہ ہوگئی ہین، لیکن جب یہ نسبتین ان سے وابستہ ہو چکی ہین، تو رفع التباس کے لئے کسی دوسرے خانوادہ کے کسی فرد کو ان نسبتون سے منسوب ہونے سے احتراز رکھنا زیادہ مناسب ہے،

عرب مین ایام جاہلیت اور آغاز اسلام کے وقت قبائل کے سردارون کو "اشراف" کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا، جیسے :-

فذکر اشراف قومہ اجتمعوا	کہا گیا ہے کہ آپ کی قوم کے سردار
لہ یوماً،	(اشراف) آپ کے پاس ایک دن
(طبری جلد ۳ ص ۱۱۹)	جمع ہوے،

ظاہر ہے کہ اس جملہ مین اشراف قوم سے مراد قریش کے سرداران قبائل ہین،

اس کے بعد عہد اسلام مین ابتداءً لفظ اشراف کا اطلاق طالبین و عباسین پر کیا جاتا تھا، اور علامہ ذہبی نے بھی اپنی تاریخ الاسلام مین الشریف..... العباسی...... الشریف...... العقیلی"..."الشریف الجعفری لکھا ہے لیکن دوسری طرف عباسیون ہی کے دور مین الشریف کا لقب رفتہ رفتہ آل علی کے لئے اس زمانہ مین مخصوص ہوتا گیا، جب وہ سلطنت کے مختلف حصون مین بغاوتین کر رہے تھے، اور طبرستان و عرب کے بعض حصون مین سلطنتین قائم کرنے مین کامیاب ہوگئے تھے، اس کے بعد سیوطی کا بیان ہے کہ الشریف کا لقب آل علی کے لئے مخصوص ہوگیا، عام ازین کہ وہ حسنی ہون یا حسینی، جعفری ہون یا علوی، سب اسی لقب سے ملقب ہوتے تھے، اس لئے کہ "الشریف" خود حضرت علیؓ کے القاب میں داخل تھا، محب الدین الطبری کی الریاض النضرہ میں ہے،

ویلقب ایضا... بالشریف (ج ۲ ص ۱۵۵)	اور شریف سے بھی ملقب تھے،

پھر فاطمین مصر نے اپنی حکومت کے زمانہ مین لقب "الشریف" کو حسنی و حسینی سادات کے لئے مخصوص کر دیا تھا، یہان تک کہ جو اوقاف صرف اشراف کے نام سے وقف ہوتے تھے، ان کا اطلاق

عرف عام کا لحاظ رکھ کر صرف حسنی و حسینی سادات پر کیا جاتا تھا، اس مین علوی داخل نہ سمجھے جاتے تھے،

لقب "السید" کے استعمال اور رواج پانے کی سرگذشت بھی تقریباً لقب "الشریف" کے مثل ہے، ابتداءً سید کا لقب انھین عطا کیا جاتا تھا، جو اپنے کسی فن مین کمال رکھتے تھے، اور یہ عہد جاہلیت سے عرب کا عام استعمال تھا، عہد اسلام مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ اوپر گذرا، خانوادۂ نبوت کے مختلف بزرگون کو اس لقب سے ملقب فرمایا، اور اپنی ذات گرامی کے لئے بلا فخر "سید ولد آدم" فرمایا، ان مناسبتون سے یہ لقب خانوادۂ نبوت سے متوسلین کے لئے استعمال کیا جانے لگا، چنانچہ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مین اکثر بزرگون کو اس لقب "السید" سے ملقب کیا گیا ہے (ص ۵۱، ۵۲، ۵۴، ۵۹، ۶۵ وغیرہ) علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام مین حضرت امام علی بن محمد کو جو بارھوین امام کہے جاتے ہین، اس لقب سے ملقب کیا ہے، اور کبھی بعض آل علی "السید الشریف" دونون لقب ملا کر ملقب کئے جاتے تھے، مثلاً خزرجی لکھتا ہے:-

وفی ھذا التاریخ وصل الشریف	اسی تاریخ کو شریف سید محمد بن
السید محمد بن الھادی المعروف	ہادی معروف بہ قطابری، اشراف
بالقطابری الی الاشراف فارادوا	کے پاس پہونچے، ان لوگون نے ان کو
ان یقدموہ اماماً وکان کاملاً فامتنع	امام بنانا چاہا مگر وہ صاحب کمال تھے،
من ذلک (العقود اللؤلؤیہ ج ۱ ص ۳۱۴)	اس سے محترز رہے،

اس طرح عرب و مصر مین الشریف اور السید کے القاب فاطمین کے لئے رفتہ رفتہ مخصوص ہوگئے، اور فقہاء نے تصریح کی کہ اگر "اشراف و سادات" کے نام کے اوقاف ہون تو ان سے مراد فاطمین ہی ہون گے، اور یہی اطلاق موجودہ زمانہ تک قائم ہے، امین ریحانی لکھتے ہین :-

لا یدعی سیداً فی الیمن غیر من	جو شخص خانوادۂ نبوت کی نسل سے نہ
کان من السلالۃ النبویہ،	ہو، اوس کو یمن مین سید نہین
(ملوک العرب ج ۱ ص ۹۲)	کہہ سکتے،

پھر خاص حجاز مین حسنی و حسینی کے امتیاز کے لئے حسنیون کو "الشریف" اور "حسینیون" کو سید سے ملقب کرتے ہین، پچھلے دور مین بھی یہی تھا، اور اس زمانہ مین بھی یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے، ایران مین سادات کو خواہ حسنی ہون یا حسینی، "سید" اور "میر" کے لقب سے ملقب کرتے ہین، اور یہی رواج ترکی اور ہندوستان میں

بھی ہے، (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

ان تفصیلات سے اندازہ ہوا ہوگا، کہ اسلام کے عہد قدیم سے دور حاضر تک لقب سید آل علیؑ کے لئے نہیں، بلکہ آل نبی کے لئے استعمال کیا گیا ہے، لیکن ہر آل نبیؐ آل علی بھی ہے، مگر ہر آل علی، آل نبی نہیں، حضرت علیؓ کی دیگر ازواج کی اولاد کے لئے نسبت علوی پہلے سے جاری ہے، اور اس زمانہ میں بھی عام طور پر اس کا رواج قائم ہے،

(۲) حضرت محمد بن حنفیہ کی بہت سی اولادیں ہوئیں اور وہ مختلف ازواج سے تھیں، ابو ہاشم، عبد اللہ، حمزہ، علی اور جعفر اکبر، ام ولد سے تھے، حسن عبد الملک کی پوتی کے لڑکے تھے، ابراہیم سارعہ بنت عیاذ کے بطن سے، ہاشم اور عبد الرحمن مرہ بنت عبد الرحمن سے، جعفر صغیر عون، عبد اللہ الاصغر، حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب کی پوتی کے لڑکے تھے، اور عبد اللہ اور رقیہ ام ولد سے تھے، (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص۶۷)

حضرت محمد بن حنفیہ کے حالات آپ کو ہمارے یہاں کی شائع شدہ کتاب "تابعین" میں ملیں گے، والسلام

"س"

"رَبُّ المشرقین و رَبُّ المغربین"

جناب منشی سید ممتاز علی صاحب شکوہ	"اگر بار خاطر نہ ہو تو معارف کی آیندہ اشاعت میں
بذریعہ اے پی، او چھنڈواڑہ (سی، پی)	کلام پاک کی آیت رَبُّ المشرقین وَرَبُّ المغربین

پر روشنی ڈالنے کی سعی فرما کر شکر گذار ہونے کا موقع دیجئے گا،"

معارف:- مشرق و مغرب سے شاید آپ پورب اور پچھم کی سمتوں کو مراد لیتے ہیں، اور سمتیں چونکہ ایک ایک ہیں، اس لئے یہاں تثنیہ کے معنی لینے میں دشواری پیش آئی، لیکن سورۂ رحمن کی اس آیت میں یہاں پر سمتیں مراد نہیں ہیں، بلکہ مشرقین و مغربین سے مقصود سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی جگہیں ہیں، یہ جگہیں موسم کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں، موسم عموماً دو ہی ہیں، یعنی جاڑے اور گرمی کے، اس لئے سورج کے طلوع و غروب کی بھی دو جگہیں ہوئیں اس لئے اس آیت کی تفسیر یوں کی جائے گی، کہ ھُوَ رَبُّ مشارق الشمس صیفاً و شتاءً و مغربیھا یعنی اللہ تعالیٰ جاڑے اور گرمی دونوں میں سورج کے طلوع و غروب کے مقاموں کا پروردگار ہے،

"والسلام"

"س"

ادبیات

جمالِ ہم نشین

از جناب روشؔ صدیقی

یہ فیضانِ جمالِ ہم نشین ہے! نیازِ عشق بھی نازآفرین ہے

ہزاروں کارواں پہونچے بہت دور مرادِ کارواں شاید یہین ہے

نہ جانے کس کو دیکھا ہے کہ اب تک نگاہِ آسمان سوئے زمین ہے

بہت کچھ ہے جنونِ شوق لیکن حریمِ ناز کے قابل نہیں ہے

فروغِ ہوش ہو یا رخصتِ ہوش محبت کا ہر اک عالم حسین ہے

زمانہ مجھ سے الجھا بھی تو ناحق مرے دامن مین دنیا ہے نہ دین ہے

یہ ویرانی یہ تنہائی مبارک جہان مین ہون وہان کوئی نہین ہے

یہی دنیا بہ قدرِ ہوش و مستی کبھی دوزخ، کبھی خلدِ برین ہے

نگاہِ کفر و ایمان سے ہے پنہان وہ اک سجدہ جو مقصودِ جبین ہے

دلِ افسردہ! تو شاید ابھی تک نسیمِ لطف کے قابل نہین ہے

وہ مجھ سے بدگمان ہون اللہ اللہ کہ جن کی یاد معراجِ یقین ہے

دلِ محبوب کا شانہ ہے جس کا وہ غم کتنا حسین و نازنین ہے!

ازل سے دیدۂ حیران مین اب تک وہی خوابِ نگاہِ اولین ہے

گل افشانِ مسرت ہے محبت مرے آنسو ہین اُن کی آستین ہے

حریمِ شوق ہو یا خلوتِ ناز جہان تم ہو وہین عرشِ برین ہے

ہوائے خلد سے دامن بچا کر

روشؔ کس کے لئے خلوت گزین ہو

باتین کرو!

از

جناب شفیع منصور ام اے

ابر و باران مین گل و گلزار کی باتین کرو — کچھ صبا کی، کچھ خرامِ یار کی باتین کرو

ہولے ہولے چھا رہی ہین کالی کالی بدلیان — چپکے چپکے زلفِ عنبر بار کی باتین کرو

خندان خندان ذکر چھیڑو طلعتِ دلدار کا — گریان گریان حسرتِ دیدار کی باتین کرو

بر لبِ جو، تلخیِ ایامِ غم کو بھول کر — بیخودی مین ساغرِ سرشار کی باتین کرو

یہ نگارِ زندگی کے جلوہ ہاے رنگ رنگ! — نو بنو، کچھ عشقِ تازہ کار کی باتین کرو

آج سازِ دل پہ گاؤ نغمۂ صبحِ ازل — آشکارا، عالمِ اسرار کی باتین کرو

داستانین تختِ شاہی کی بہت دہرا چکے — دوستو! اب آستانِ یار کی باتین کرو

منبر و محراب کی باتون کا یہ موسم نہین

تم ذرا منصور کچھ دار کی باتین کرو

غزل

از جناب شفیق صدیقی جونپوری

جب جبینِ شوق ان کے زیرِ پا ہو جائیگی — پھر تو جتنی بھی قضا ہوگی ادا ہو جائیگی

جب مری آواز خود ان کی صدا ہو جائیگی — وہ تو خوش ہون گے مگر خلقت خفا ہو جائیگی

چاند تارے غنچہ و گل سب یہی ہون گے مگر — پھر بھی کروٹ لیکے دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

گل ہوئی شمع، اس رخصت چاندنی دامن کشان — اب کسی کی یاد کیا تو بھی جدا ہو جائیگی

بھول کر شوقِ چمن کرتے نہ ہم گر جانتے — پھول سے خود پھول کی نکہت جدا ہو جائیگی

میرے رونے پر ہنسو لیکن وہ وقت آنیکو ہے — جب ستم کے نام سے دنیا خفا ہو جائیگی

ہائے ان کے ہاتھ سے تعزیر کی لذت شفیق

وہ سزا دین گے تو ہم سے پھر خطا ہو جائیگی

باب التقریظ والانتقاد

یوروپین اور انڈو یوروپین شعرائے اردو

European & Indo European Poets of Urdu & Persian

مرتبہ رائے بہادر رام بابو سکسینہ، ام اے ال ال بی، کلکٹر بلند شہر تقطیع بڑی،

کاغذ بہتر و ٹائپ دیدہ زیب، قیمت دس روپیہ پتہ نولکشور پریس لکھنؤ،

از

جناب رشید احمد صاحب صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

رام بابو سکسینہ کا نام اردو کے طالب علمون مین غیر معروف نہین ہے، بڑے تعجب اور خوشی کی بات ہے کہ وہ اپنی چند در چند منصبی مصروفیتون مین اردو زبان و ادب کو نہین بھولے، جو اس بدنصیب ملک کا بڑا قیمتی سرمایہ ہے، رام بابو ادبی ذوق کے ساتھ ساتھ تاریخی احساس اور تاریخی دلچسپی سے بھی بہرہ مند ہین، تاریخی احساس کی بدولت وہ ہندو مسلم تہذیب، ملکی روایات اور ان کے جیتے جاگتے آثار و مظاہر سے قریب ہین، اور تاریخی دلچسپی کے باعث ان مین تحقیق و تفتیش کی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے، جو ماضی کے خط و خال کو اجاگر کرنے مین مدد دیتی ہے،

اب تک ان کا مشہور تحقیقی کارنامہ اردو ادب کی مفصل و مربوط تاریخ تھی، یہ تاریخ اردو کے طالب علمون کے لئے مفید بھی رہی ہے، اور ناگزیر بھی، ان کا موجودہ زیر نظر کارنامہ پچھلے کارنامہ سے کسی طرح کم نہین، فاضل مصنف نے ایک نئی وادی تلاش کی ہے اور کتاب کے مطالعہ سے مصنف کے اس دعوی کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس موضوع پر جو سرمایہ انھون نے فراہم کیا ہے، وہ بے مثل ہے، اور اس سرمایہ سے انھون نے ہم سب کی معلومات مین جو قابلِ قدر اضافہ کیا ہے، وہ ہمیشہ تحسین و منزلت کا مستحق رہے گا،

پندرہ سال کی مسلسل تلاش و تحقیق کے بعد سکسینہ صاحب نے ان شعرا و شاعرات کا تذکرہ مرتب کیا ہے، جو یورپی ممالک سے آکر ہندوستان میں رس بس گئے، یہاں شادیاں کین، ہندو مسلم گھرانون سے روابط بڑھائے، ہندوستانی زبانون پر عبور حاصل کیا، یہان کے تہذیبی سرمایہ کو اپنایا، دیوان چھوڑے اور یہین پیوند خاک ہوگئے، ان مین ارمنی بھی تھے، ہند برطانوی، ہند فرانسیسی اور ہند پرتگالی بھی، جو ہفتہ مین چھ دن تجارت اور ایک دن عبادت کے قائل تھے، لیکن فرصت کے اوقات مین شراب، شاہد و شعر و سخن سے بھی شغل کرتے تھے،

سترہوین صدی سے انیسوین صدی کی ابتدا تک ہندوستانی اور یورپین تہذیبین ایک دوسرے سے سازگار رہین، باہر سے آنے والون نے ہندوستان کے لوگوں سے وہی برتاؤ کیا جیسا مغلون نے اپنے دور مین کیا تھا، ڈوپلے، وارن ہسٹنگز اور دوسرے معروف یورپی سیاست دانون نے اس ملک مین شادیان کین عیسائی مبلغون نے بھی اس رشتہ کے جواز کا فتوی دیا، ٹھٹھ، مالابار کے ساحل سے لے کر چندر نگر اور بیگم سمرو کے محلات تک مصلحتین مراسم مین، مراسم شادیون مین اور شادیان شاعری یا شاعرون مین منتقل ہوتی رہین،

ان لوگون مین سے بعض نے کئی کئی دیوان یادگار چھوڑے، یہ دیوان تبرک کی حیثیت رکھتے ہین، ان کی اہمیت روایت شعری کی بنا پر کم اور تاریخی روایت کی بنا پر زیادہ ہے، ان کی حیثیت گم شدہ کڑیون کی نہین ہے، بلکہ ان بھولی ہوئی راہون کی ہے، جو ماضی کی دھند مین کھو گئی ہون، جن کو پاکر پرانی سمتون کا اندازہ ہو سکتا ہے، اگر انیسوین صدی مین نسلی قومیت کا احساس ہمارے حکمرانون مین یک بیک ضرورت سے زیادہ نہ ہوجاتا تو شاید ہمارے درمیان وہ خلیج حائل نہ ہوجاتی، جو آج ناقابلِ عبور بن گئی ہے،

سکسینہ صاحب نے ان خاندانون کا کھوج لگایا ہے، یہ خاندان بیشتر ہند برطانوی اور ہند فرانسیسی خون سے تعلق رکھتے ہین، اور آج کل باقیات صالحات کی حیثیت رکھتے ہین، ان خاندانون کا پتہ چلانا، اور ان کو نجی مسودات مخطوطات اور کاغذات کا مطالعہ کرنا بڑا مشکل کام تھا، اور یہ رام بابو کی ہمت مردانہ اور طالب علمانہ سرگرمی کا فیضان تھا، کہ انھون نے ہار نہ مانی، اور بالآخر کامیاب ہوکر رہے، اس سلسلہ مین انھون نے دور دراز کے سفر اختیار کئے، دولت صرف کی، پرانے خاندانون مین رسائی حاصل کی، گرجا گھرون کے رجسٹر، رسالے اور ریکارڈ دیکھے، کتب خانے کھنگالے، پرانے سیاحت نامون، تاریخی رسالون، تذکرون، غیر مطبوعہ کلیات، دواوین، سوانح عمریان، روزنامچے، اور قانونی کاغذات سے لے کر مزارات کے کتبون تک ہر اس چیز کا

مطالعہ کیا جو مواد کی فراہمی، ترتیب و تصحیح مین کام آسکتے تھے،

فاضل مصنف نے تقریباً تین سو صفحات ہند یورپی خاندانون شخصیتون اور شاعرون کے حالات پر صرف کئے ہین، کتاب کا سب سے دلچسپ حصہ وہ ہے جہان انھون نے چند خاندانون کے حالات کچھ اپنی اور کچھ دوسرون کی زبانی سنائے ہین، ان خاندانون کی معاشرت کا بیان لطف سے خالی نہین، باقی صفحات مین ہند یورپی شعرا کے اشعار ہین، جن کی ترتیب تاریخی اعتبار سے کی گئی ہے،

میر سے لے کر ناسخ تک اور ناسخ سے لے کر داغ و امیر تک اکثر اردو شعرا کی آوازین ان ہندیورپی شعرا کے کلام مین سنائی دیتی ہین، بہتر کہنے والے اکثر ہند برطانوی شعرا ہین، اکثر شعرا کا کلام لکھنوی شعرا کی آواز بازگشت معلوم ہوتا ہے، زبان و بیان کے اعتبار سے ان مین فرق کرنا مشکل ہے، وہی رعایات و مناسبات، وہی لب و لہجہ، وہی بناوٹ اور لگاوٹ جو لکھنو کا امتیاز سمجھا جاتا ہے، اصناف و موضوعات سخن کے اعتبار سے بھی ان شعرا نے اپنے ہندوستانی پیرودن کی پوری تقلید کی ہے، حمد و نعت، قصیدہ، مدحیہ قصیدہ، تہنیت ولادت، رسید کلاہ زرین، رسید انبہ ہائے عمدہ ذائقہ، تاریخ وفات، خمسہ بر غزل غالب و دیگر اساتذہ، بیان کربلا، مناجات، سلام، پہیلیان، قطعہ مبارکباد، روز دیوالی، بسنت نامہ، ہولی، دادرا، بھجن، بارہ ماسہ سب مین خوب خوب طبع آزمائی کی ہے،

کلام کا ایک رنگ یہ ہے:-

خون نہ کیوں روئے ہماری چشم تر — زخم کو خواہش ہوئی ناسور کی

یہ حالت ہے تصور مین ترے دست حنائی کے — لعاب تھوکتا ہون، ہوگیا مجھ کو مرض سل کا

جب سے اے جان کیا وصل کا وعدہ تم نے — ہاتھ بھر کا ہے کلیجہ مرے ارمانون کا

دل کو چھید، سینہ چیرا، کاٹ کر باندھے ہین ہاتھ — تیر نے خنجر نے تیغ و طرۂ طرار نے

تل بھر سفید صفحہ نہیں وصفِ خال سے — کیون کر کہین نہ شعر مرا نکتہ دان پسند

بے برگی جوزف کا خیال اس کو جو آیا — بیڑا بھی میرے ہاتھوں سے کھایا نہین ہرگز

جب آیا منہ کو کلیجہ جلا بھنا میرا — زبان نے چکھ کے کہا واہ کیا کباب آیا

بن کے وہ نیلم پری اک دن چڑھی تھی بام پر — جب سے رنگت آسمان کی آسمانی ہو گئی

وہ زرد پوش تیرے نہ آئیگا دام مین — ناحق نہ تو ہتھیلی پہ سرسون جما بسنت

سبزہ رنگون کے ظلم مت پوچھو
میری چھاتی پہ مونگ دلتے ہین

دل سا رفیق توڑ لیا ایک بات مین
قربان مین تو ہوتا ہون حضرت کے جوڑ پر

چھاتی ہے کس کی جو تری محرم سوا کوئی
پہنچائے ہاتھ دھگدھگی اور عطردان تلک

عشوہ نگہ ادا و ناز اور ہی غمزہ ہمرکاب
ساتھ ہین تیرے شہ سوا ایک دو تین چار پانچ

ہیکل سے کیا فقط مرے جی کو نہین ہے کل
جاتا ہون دل کو دیکھ ترا ہار بار بار

جب تلک ہو دم مین دم دم کا تر ہمدم ہون مین
غیر کی خاطر نہ دے مجھ کو سمن اندام دم

اشک تر دریا بہے یہ یاد زلف یار مین
ہے گمان اب موے سر پہ دام ماہی گیر کا

دیکھ تو چشم عنایت سے کبھی او صاد چشم
عشق مین میم دہن کے تر کے مین نون ہو گیا

بیٹھ جاتی نہین اُن انکھون کے آگے شوخی
یہ وہ آہو ہین کہ دنیا کو چرے بیٹھے ہین

پانی پانی ہوا جاتا ہے اس فکر مین دل
اپنے اعمال کی اک دن جو سزا پانی ہے

رُخ پر نقاب ان کے پڑا بے سبب نہین
دیتے ہین اس مین شربت دیدار چھان کر

تمیز نہین نیخ مین اور چوب مین ان کو
سمجھے ہین جلا پے کو جو جلاب کی لکڑی

گونگے ہو جائین نکل آے گلے مین گلٹی
جھوٹ سچ بول کر جس نے یہ تری کان بھرے ہین

دوسرا رنگ ملاحظہ ہو،

تاریخ گھوڑیہ راجہ دل سکھ راے پٹواری یعنی مادہ ان کے کی

آگے دجال نے اک روز یہ لالہ سے کہا
کیون جی خچر کو مرے گھاس کیون دی تم نے

پر لو پڑنے کو ہے خچر مرا مجھ کو دے دو
اپنی گھوڑیہ وہ منگا لو اجی بڑھیا جو بھی

آزماؤن گا مین ایمان ہر اک کا جا کر
تیرہ ہو مین ختم ہوئی چودہ ہوین صدی یہ بھی

سُن کے تقریر یہ لالہ نے کہا مالک سے
آج دجال سے اور مجھ سے بڑی بحث بھی

کہا مالک نے کہ سچ ہے نہ برا مانو تم
کوئی ٹٹوانی خرید و اجی خچر نہ سہی

کہا جب تک کہ سواری مرے گھر سے آوے
تم سواری مجھے لے دو کوئی سستی سہی

میری تحصیل سے اطراف کی طلبی آئی
لاؤ کر کس پہ مین لے جاؤن یہ خسرہ بھی

مین سواری تو منگالون پہ تردد یہ ہے
کھیت بتلا دو کوئی جس مین بو اڑاؤن جَئی

وان یہ تقریر تھی یان گر گری گھوڑی کو ہوئی
دبی تھی تپتی تھی اس صدمہ سے وہ اینٹھ لئی

روح جب نکلی تو ہاتف نے کہی یہ تاریخ

یار دلپٹواری کی گھوڑیا بھی دو دوزخ مین گئی (۱۲۸۷ف)

تاریخ راجہ دل سکھ راے بہادر پٹواری،

راجہ دل سکھ راے کے مرنے کے بعد
ہر زبان پر لفظ یہ جاری ہوئے

تھے بڑے منحوس جانے کیا ہوئے
حاکم اطراف یا ناری ہوئے

ان کے مرنے کی لکھیں تاریخ کیا
اس تردد مین بہت عاری ہوئے

مُلہم غیبی نے شب کو نا گہان

دی صدا دوزخ کے پٹواری ہوئے (۱۲۸۷ف)

لیکن اس رنگ کو کیا کہئے گا ؟

یہ کیا چپکے چپکے تو کہتا ہے اے دل
یہ در پردہ کس کا گلہ ہو رہا ہے

لگی چوٹ ایرن کے دل پر یہ کیسی
کہ ہر وقت ذکر خدا ہو رہا ہے

وہ گرم رو راہ معاصی ہوں جہان مین
گرمی سے رہا نام نہ دامن مین تری کا

وہ نہ آوے تو موت آجا وے
ہم کو دونون کا انتظار ہے آج

کل کی باتین بھی یاد ہین کہ نہین
ہم سے صاحب کو ننگ و عار ہے آج

نام لیتا ہون ترا کب مین کسی کے آگے
منہ سے بے ساختہ باتون مین نکل جاتا ہے

چرخ سے طاقت آزمائی کی
کی تو طالع نے یہ رسائی کی

شورش ہنگامۂ ذوق تپیدن دیکھئے
زلزلہ کو نین مین اپنے دل بسمل سے ہے

(آم کی تعریف) پوست میرے خیال سے نازک
مغز میرے سخن سے شیرین تر

دل مین پنہاں رکھا بتون کا عشق
ہم نے اللہ کا بھی ڈر نہ کیا

بیعت کر کے پیر مغان سے نہ بنو اک عمر ہوئی
بادہ کشی کا مجھ پہ واعظ آج نیا الزام نہین

جینا شب الم میں ز بس ناگوار ہے
اے موت آکہیں کہ ترا انتظار ہے

کافی ہے اپنی عمر دو روزہ کے واسطے
کچھ آج کل جو شغل غم روزگار ہے

حسرتین کیسی کیسی ہین اے دل حیف بندہ ہوا خدا نہ ہوا

خاموش رہو تو گو کرتا اور نہ بہکین دیکھو برا چہ چاہنیں اچھا نہیں اچھا

ناصح مین کیا کرون مرا کیا اختیار ہے کچھ آپ ہی آپ اُس پہ مرا جی نثار ہے

جی مین آتا ہے کہ اتنا تو کہون اگلی باتین کچھ بھی تم کو یاد ہین

شراب ناب مین دھوکر کہا رندون نے واعظ سے بڑی مدت مین آیا میکدہ مین پاؤن حضرت کا

واعظ کا ایک جام مین ساقی یہ حال ہے بیٹھا ہے بن کے دیکھنا یارون کا یار آج

ان شعراء اور اشعار کا لحاظ رکھتے ہوئے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان مین ہماری معاشرت، ہماری روایات اور ہماری شاعری کی خوبو کس درجہ رس بس گئی تھی، خیریت ہوئی کہ ان حرکتون سے جلد ہی باز آگئے، ورنہ ہمارے انجام سے بھی کچھ دور نہ تھے، شعراء کے حالات اور ان کی شاعری پر انگریزی مین تبصرہ ۱۰۸ صفحات پر اور چار سو سے اوپر صفحات ان کے فارسی و اردو کلام پر مشتمل ہین، یہ کتاب اردو ادبیات کی تاریخ مین ایک گرانقدر اضافہ ہے اور اس لائق ہے، کہ مصنف کی پہلی کتاب کی طرح اس کا بھی اردو مین ترجمہ کیا جائے، کہ اردو دان طبقہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکے،

شعر الہند حصہ اوّل

جس مین قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، قیمت : ہے

شعر الہند حصہ دوم

جس مین اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل قصیدہ مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، قیمت ہے، مکمل سٹ :- ہے

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ مکمل تذکرہ ہے، جس مین آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی و اکبر تک کے حالات، قیمت :- ہے، ضخامت ۵۴۶ صفحے، "منیجر"

مطبوعات جدیدہ

سیر افغانستان از جناب مولانا سید سلیمان ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت تقریباً ۲۰۰ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ نفیس اکیڈمی حیدر آباد دکن،

سنہ ۱۹۳۳ء مین حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ، سر اقبال اور سر راس مسعود مرحوم نے حکومت افغانستان کی دعوت پر وہان کے نظام تعلیم کی ترتیب کے لئے کابل کا سفر کیا تھا، واپسی مین حضرۃ الاستاذ نے معارف کے کئی نمبرون مین اس سفر کی روداد لکھی تھی، جس کو نفیس اکیڈمی حیدر آباد نے سیر افغانستان کے نام سے کتابی صورت مین شائع کیا ہے، یہ سفرنامہ سیر و سیاحت کی محض تفریحی سرگذشت نہین ہے، بلکہ اس مین افغانستان کے اہم تاریخی واقعات، آثار قدیمہ، موجودہ افغانستان کے تعلیمی و صنعتی مدارس، علمی ادارون، کتب خانون، مطابع، اخبارات و رسائل، عمارتون، علماء و مشائخ ارکان سلطنت، غزنین و قندھار کے آثار قدیمہ، ان کی موجودہ حالت، شہر و دیہات کی زندگی، قدیم و جدید تمدن کے مظاہر وغیرہ افغانستان کے جملہ تاریخی، تمدنی، علمی و معاشرتی حالات آگئے ہین ان کے پڑھنے سے افغانستان کی قدیم تاریخ پر ایک سرسری نظر پڑجاتی ہے، اور موجودہ افغانستان کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے جا بجا افغانستان کے سیاسی و تعلیمی امور کے متعلق مصنف کے بیش قیمت افکار و خیالات بھی معرض تحریر مین آگئے ہین،

اسلامی نظام : مولفہ جناب مولوی حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی استاذ ندوۃ العلماء، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۳ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عمر پتہ : دار الاشاعۃ نشاۃ ثانیہ حیدر آباد دکن،

آج دنیا مین جتنے نظام حکومت رائج ہین، وہ سب انسانی فلاح و بہبود اور دنیا مین قیام امن سے قاصر ہین، اور بڑے بڑے مفکرین اور اصحاب سیاست ایسے صالح نظام کی تلاش مین ہین جو انسانون کو دنیا دی امن و سکون کی زندگی کا موقع دے سکے، مصنف نے جن کی نظر مذہب اسلام کے ساتھ موجودہ

زمانہ کے سیاسی و معاشی مسائل پر بھی ہے، اس کتاب مین اس مطلوب نظام کو پیش کیا ہے، اس کتاب کا بنیادی نقطۂ بحث یہ ہے کہ انسان کی زندگی کی دو قسمین یا اس کے دو پہلو ہین، ایک طبعی دوسرا عقلی طبعی زندگی مین انسان و حیوان قریب قریب برابر بلکہ حیوان زیادہ زیرک ہے، انسان کا امتیاز عقلی زندگی ہے، طبعی زندگی نام ہے بغیر فکر و تدبر اور قید و بند کے نفس کے تقاضون کی تسکین و تعمیل کا خواہ وہ کتنے ہی مضر کیون نہ ہون، حیات طبعی کے سامنے کوئی بلند نصب العین اور ان کا کوئی مرکز افکار نہین ہوتا، جو اس کے تصورات و اعمال و افعال کو صحیح راستہ پر لگا سکے، اور ان مین ضبط و نظام قائم کر سکے، اس لئے طبعی زندگی کے سارے افکار و اعمال ہوائے نفس کے تابع ہوتے ہین، اس کے مقابلہ مین عقلی زندگی کے سامنے ایک خاص نصب العین اور اس کا ایک مرکز افکار ہوتا ہے، اور اس کے سارے افعال و اعمال اسی کے تابع ہوتے ہین اور ان مین بے قید آزادی اور بدنظمی نہین ہونے پاتی، پھر ان دونون زندگیون کے نتائج اور شخصی اجتماعی اور تمدنی نقصانات و فوائد بیان کرکے دکھایا ہے، کہ عقلی زندگی صرف توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدہ سے حاصل ہوتی ہے، جس کا سب سے جامع اور مکمل دین اسلام ہے، آخر مین اختصار کے ساتھ اسلامی نظام حیات اور حکومتِ الٰہیہ کا خاکہ پیش کرکے اس کی اخلاقی اجتماعی تمدنی اور معاشی برکتین دکھائی ہین،

ابو جعفر منصور: از جناب مولوی ابو القاسم صاحب رفیق دلاوری تقطیع چھوٹی، ضخامت: ۱۵۱ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت: غیر محصول ڈاک: ۔/۲ر
پتہ:۔ اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاجپورہ لاہور،

عباسی خلفار مین ابو جعفر منصور کی وہی حیثیت ہے جو اموی خلفار مین عبد الملک بن مروان کی ہے، گو عباسی حکومت کا بانی اور پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح ہے، لیکن اس کا زمانہ بہت مختصر تھا، جس نے عباسی حکومت کی جڑین مضبوط کین، اور اس کو مختلف حیثیتون سے ترقی دی، وہ ابو جعفر منصور ہے، وہ بڑا مدبر، عالی دماغ، علم دوست، اور بڑے سطوت و جبروت کا فرمانروا تھا، سیاسی کارنامون کے علاوہ اس کے بہت سے علمی و تمدنی کارنامے بھی ہین، اسی نے عروس البلاد بغداد کو آباد کرایا، اور اسی کی علمی سرپرستی سے اسلام کی علمی تاریخ کا آغاز ہوا، لائق مؤلف نے اس کتاب مین اس جلیل القدر فرمانروا کے سوانح اور اس کے علمی و سیاسی و تمدنی کارنامون کو پیش کیا ہے، اس کی زندگی کا کوئی اہم اور ضروری پہلو چھوٹنے نہین پایا ہے، ماخذ مستند واقعات اور منصور کی سیاست کے بارہ مین مصنف کی رائین عموماً صحیح ہین،

چاند بی بی سلطانہ: از جناب وزیر حسن صاحب دہلوی تقطیع بڑی ضخامت ۲۴۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت قسم اول: للعہ/ قسم دوم:۔ ۱۲/ ہے، پتہ: دکن اردو اکیڈمی ادارۂ شرقیہ حیدر آباد،

علی عادل شاہ فرمانروائے بیجاپور کی ملکہ چاند بی بی یا چاند سلطانہ کا نام ہندوستان کی خواتین کی تاریخ مین ہمیشہ زندہ رہے گا، وہ اپنے زمانہ کی بڑی مدبر، اور بہادر عورت تھی، اس نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس کے بھتیجے ابراہیم عادل شاہ کی نابالغی کے زمانہ مین جس قابلیت سے حکومت کا نظام سنبھالا اور ایک عرصہ تک جس بہادری کے ساتھ اس کو دشمنون کے پنجہ سے بچاتی رہی، اور بالآخر اسی سلسلہ میں اسکی جان گئی وہ اب تک تاریخ مین محفوظ ہے، علی عادل شاہ کے ساتھ اس کی شادی بھی تاریخی اہمیت رکھتی ہے، دکن کے مسلمان سلاطین مین ہمیشہ باہم جنگ و پیکار برپا رہتا تھا، چاند سلطانہ کے والد حسین نظام شاہ والی احمد نگر اور علی عادل شاہ مین مستقل مخاصمت قائم تھی، مسلمان حکمرانون کے اس اختلاف سے فائدہ اٹھا کر رام راج والی بیجانگر ان کا ملک دباتا چلا جاتا تھا، آخر مین ان سلاطین نے اس اختلاف کے نقصان کو محسوس کرکے آپس مین اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی، اسی سلسلہ مین حسین نظام شاہ نے اپنی لڑکی چاند سلطانہ علی عادل شاہ کو بیاہ دی، اور اس کی بہن کو اپنی بہو بنایا، اس رشتہ سے دونون مین یگانگت و یکجہتی پیدا ہوگئی، اس تاریخی واقعہ کو مصنف نے افسانہ کے پیرایہ مین لکھا ہے اور اپنی خوش ذوقی سے اس مین وہ تمام خصوصیات پیدا کر دی ہین، جو افسانہ کی دلآویزی کے لئے ضروری ہین، فارسی شاعری مین "بتان ترک" کے لفظ سے ان کے بانکپن اور رعنائی کی جو تصویر ذہن مین آتی تھی، مصنف نے نازک قلم نے چاند بی بی کے پیکر مین اس کا مرقع دکھا دیا ہے اور اس کی سیرت کے ان پہلوؤن کو بھی نمایان کیا ہے، جس سے بہو بیٹیون کو سبق حاصل ہو سکے زبان نہایت شستہ پاکیزہ، شیرین اور رسیلی انداز بیان نازک اور لطیف ہے، زبان کے ایسے پاکیزہ نمونے اب کم نظر آتے ہین، اس کتاب کے کئی حصے ہون گے، اس حصہ مین چاند بی بی کی دوشیزگی اور شادی کے واقعات ہین، دوسرے حصون مین باقی زندگی کے حالات ہونگے،

قرآن مجید کی دوسری کتاب مؤلفہ جناب مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۱ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت مجلد:۔ عہر/
پتہ:۔ ادارہ تعلیمات اسلامی نمبر ۳ ۱۲ امین آباد پارک، لکھنؤ،

یہ کتاب ادارۂ تعلیمات اسلامیہ کے سلسلۂ تعلیم قرآن کی دوسری کتاب ہے، اس کے پہلے حصہ پر معارف مین ریویو ہو چکا ہے، اس کا مقصد کم سے کم وقت مین عربی زبان سے بقدر ضرورت واقفیت کے ساتھ ساتھ کلام پاک کے ترجمہ کی استعداد پیدا کرنا ہے، چنانچہ کلام مجید ہی کی آیات و سورتون سے اس کا نصاب مرتب کیا گیا ہے، ہر سبق مین کلام مجید کی چند آیات، اس کے لغات کے معنی اور آیات کے اہم پہلوؤن کی تشریح اور املا و انشاء اور ترجمہ کی مشقین ہین، جا بجا صرف و نحو کے ضروری قواعد بھی مختصراً دیدیئے گئے ہین، اور طلبہ کو اس کی پیچیدگیون سے بچانے کے لئے عربی املا اور عربی کی غیر معرب عبارتون پر اعراب لگانے کی مشق کے ذریعہ اس کے عملی استعمال کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے، ترجمہ اور املا کی مشقین احادیث نبوی اور تاریخ اسلام اور اکابر اسلام کے سبق آموز واقعات سے دیگئی ہین، اس طریقۂ تعلیم سے عربی سے واقفیت اور ترجمۂ قرآن کی استعداد دونون ساتھ ساتھ پیدا ہو جاتی ہین، امید ہے کہ ترجمۂ کلام مجید کے شائقین اس سے فائدہ اٹھائین گے۔

جامِ عرفان از جناب منظور الحق صاحب کلیم قادری چشتی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۱۹ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت:- عہ/ سلطان پریس، پرتابگڈھ،

مصنف ایک صوفی مشرب بزرگ ہین، جامِ عرفان ان کی عارفانہ رباعیون کا مجموعہ ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے مغز سخن کے مقابلہ مین ظواہر کا زیادہ اہتمام نہین کیا ہے، اس لئے جا بجا معنی کے جسم پر الفاظ کا جامہ تنگ ہو گیا ہے لیکن اس سے ان رباعیون کی معنوی حیثیت پر اثر نہین پڑتا اس جام مین بادۂ عرفان کے لذت شناسون کے ذوق کا کافی سامان ہے،

زارینہ مترجمہ جناب محمد رحیم صاحب دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ/ پتہ نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی،

اس کتاب مین روس کے آخری زار نکولس اور اس کی ملکہ الکس زارینہ اور انقلاب روس کے حالات کو افسانے کے پیرایہ مین پیش کیا گیا ہے، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ روس کی جرمن نژاد زارینہ نے قیصر جرمنی، اور مشہور جرمن جاسوس راسپوٹین کے اشارون پر چل کر جو مقدس پادری کے بھیس مین زار اور زارینہ دونون پر حاوی ہو گیا تھا، زار روس کے ذریعہ کس کس طرح روسی قوم کو مٹانے اور برباد کرنے کی کوشش کی، اور اس کے لئے اس نے کیسی کیسی سازشین کین، اور آخر مین خود اس کا کیا عبرتناک انجام ہوا، یہ کتاب غالبًا کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے لیکن مترجم نے اس کی تصریح نہین کی ہے، ترجمہ صاف اور شستہ ہے،

(م)

جلد ۵۶ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۴۵ء عدد ۵

مضامین